الامام المحدث الحافظ ابی عمرو عثمان بن عبد الرحمن المعروف بابن الصلاح

# تسہیل

# مقدمۃ ابن الصلاح

سوالاً جواباً

الاستاذ شیخ الحدیث

ابو محمد حافظ عبد الستار الحماد



مکتبہ ناصریہ

زین العابدین پلازہ مزدور مرکزی مسجد اہلحدیث پریس مارکیٹ امین پور بازار فیصل آباد فون: 789088

# مقدمة ابن الصلاح

للإمام الحافظ المحدث ابن الصلاح

جملہ حقوق طباعت محفوظ ہیں

نام تسہیل مقدمہ ابن الصلاح

تصنیف الامام المحدث الحافظ ابن الصلاح

تسہیل ابو محمد حافظ عبد الستار الحماد

ناشر محمد زبیر ناصر

سرورق آغا عامر خان

کمپوزنگ مکتبہ ناصریہ زین العابدین پلازہ امین پور بازار فیصل آباد

تعداد ایک ہزار

طباعت باراوّل مارچ 2000ء

## ملنے کا پتہ

مکتبہ ناصریہ

زین العابدین پلازہ پریس مارکیٹ نمبر 1 امین پور بازار فیصل آباد فون: 789088

دار الفرقان الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور فون: 7231602

نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 7321865

فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان فون: 541809

مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ فون: 219791

نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

الامام المحدث الحافظ ابی عمرو عثمان بن عبد الرحمن المعروف بابن الصلاح

# تسہیل

# مقدمۃ ابن الصلاح

سوالاً جواباً

الاستاذ شیخ الحدیث

ابو محمد حافظ عبد الستار الحماد

مکتبہ ناصریہ

زین العابدین پلازہ پریس مارکیٹ امین پور بازار فیصل آباد فون: 789088

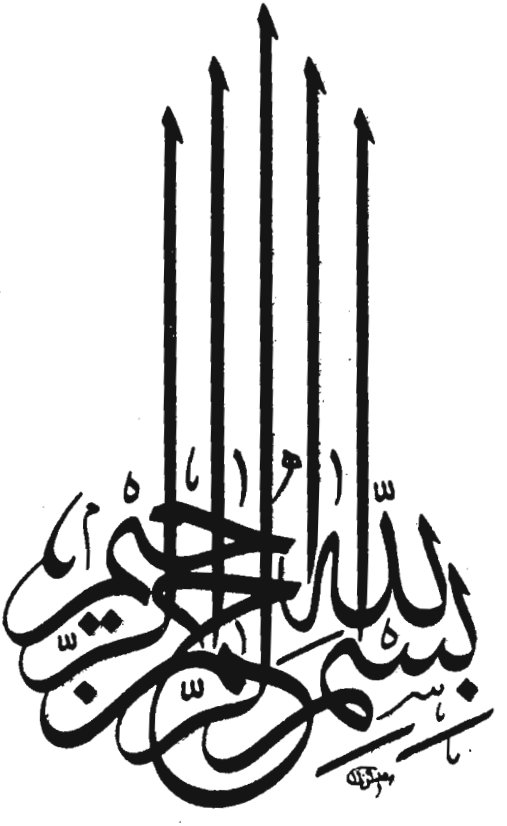
بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# الکلمۃ للناشر

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ اشرف الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ الیٰ یوم الدین اما بعد

شریعت اسلامیہ تا قیامت باقی رہے گی اس کا مرجع و منبع اور مرکز و محور صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اسلام کو کامل و مکمل ضابطہ حیات کے طور پر سمجھنے اور اختیار کرنے کے لئے ان دونوں کی طرف رجوع ناگزیر ہے کیونکہ یہ وہ چشمہ صافی ہے جس سے اسلامی تعلیمات اور دینی احکام و مسائل کے سوتے پھوٹتے ہیں، یہی دونوں چیزیں (قرآن وحدیث) دین اسلام کی بنیاد و اساس ہیں۔ اور ان دونوں کی اتباع و پیروی میں ہی نجات کی راہ پنہاں ہے اور کسی صاحبِ بصیرت مسلمان کے لئے اس راہ سے مفر نہیں۔

قرآن مجید مجموعہ قوانین اور اسلامی طرزِ حیات کے اصول و ضوابط کا حامل ہے جبکہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تشریح ہے جو قرآن کے احکام کو کھول کر بیان کرتی اور اس کے ابہامات کی تشریح و توضیح کرتی ہے۔ اگر حدیثِ نبوی کو قرآن مجید سے الگ کر دیا جائے تو قرآن مکمل ضابطہ حیات پیش کرنے سے قاصر رہے گا اور کوئی شخص صرف اس کی روشنی میں اپنے لئے کامل نظام زندگی مرتب نہیں کر سکے گا۔

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی اہمیت و افادیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اور اس کو اپنی اصلی ہیئت و صورت میں قیامت تک باقی رکھنے کے لئے محدثین عظام نے "**مصطلح الحدیث**" کا فن ایجاد کیا جس میں انہوں نے ایسے اصول و ضوابط اور قوانین کو منضبط کر دیا جن کی موجودگی میں کسی گمراہی و ضلالت کا اندیشہ باقی نہیں رہ سکتا۔ اس فن میں بے شمار کتابیں تصنیف کی گئیں اور کی جارہی ہیں مگر اس فن کی بنیادی واولین کتب کی اہمیت و ضرورت کسی دَور میں بھی کم نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔

انہی امہات الکتب میں بنیادی و اساسی اہمیت کی حامل محدث ابن الصلاح کی تصنیف "**علوم الحدیث المعروف بمقدمۃ ابن الصلاح**" ہے۔ جس کی تسہیل و تلخیص اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

عزیز طلباء وطالبات! آپ بخوبی جانتے ہیں کہ آپکے اپنے علمی وادبی ادارہ مکتبہ ناصریہ نے کچھ عرصہ قبل وفاق المدارس، فاضل عربی اور درس نظامی کے نصاب کو سہل تر بنانے اور قومی زبان اردو میں ڈھالنے کیلئے سلسلہ تراجم وتسہیلات کا آغاز کیا تھا۔اس سلسلہ میں اس سے قبل چند ایک تلخیصات، تسہیلات اور تراجم شائع کئے گئے جنہوں نے طلباء وشائقین سے خوب پذیرائی حاصل کی۔**فالحمد للّٰہ علی ذٰلك**

اسی سلسلہ کی ایک اور تسہیل وتلخیص شائع کی جارہی ہے۔جو محدث ابن الصلاح کی معروف تصنیف "**مقدمہ ابن الصلاح**" کی تفہیم ہے۔اس کو تسہیل وتلخیص کا جامہ فضیلۃ الاستاذ حضرت مولانا شیخ الحدیث حافظ عبدالستار الحماد حفظہ اللہ نے پہنایا ہے۔جن کی شفقت ومحبت میرے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔

حضرت الاستاذ جہاں ایک پراثر اور خوش نواخطیب ومقرر، شفیق ومشفق داعی ومبلغ، صاحب نظر مفتی، بلند پایہ مصنف ومؤلف ہیں وہاں ایک کہنہ مشق اور پختہ کار مدرس بھی ہیں۔اس حیثیت سے کسی بھی درسی کتاب میں پیش آمدہ دقیق سے دقیق اور مشکل ترین مباحث، پیچیدہ وگنجلک اسلوب اور عبارت کی جو پیچیدگیاں ہوتی ہیں آپ کی وسعتِ نظر اور تجربہ سے اوجھل نہیں رہ سکتیں۔

یہی وجہ ہے کہ زیر نظر "تسہیل" کو طلباء کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید مطلب اور کار آمد بنانے کے لئے آپ نے انتہائی سادہ اسلوب نگارش اپنایا ہے۔زبان سہل تر اور لفظی صناعیوں سے مبرا اور ہر قسم کے تکلف وتصنع سے پاک ہے جو آپ کے حسنِ ذوق، خوش اسلوبی، محنت لگن اور عرق ریزی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّل مِنَّا اِنَّكَ اَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

خادم العلم والعلماء

محمد زبیر ناصر کان اللہ لہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمۃ

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ واصحابہ واخوانہ اجمعین۔ وبعد!

مؤرخہ ۲۶ شوال ۱۴۰۸ھ کو جب میرا تبادلہ مادرِ علمی "جامعہ سلفیہ" فیصل آباد ہوا تو وہاں پہنچ کر جامعہ کے ماحول کو بڑا خوشگوار پایا۔ کیونکہ وہاں علمی فضا اور ملنسار ساتھی میسر آئے خصوصاً مرحوم بھائی مولانا محمد داؤد فہیم رحمہ اللہ نے اپنی ذاتی لائبریری کی چابی میرے حوالے کر کے بڑی فراخدلی اور علم دوستی کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے ہاں فضل عمیم سے نوازے اور جنتِ فردوس کو ان کا مسکن بنائے۔ چونکہ جامعہ کا اندرونی انتظام وانصرام نوجوان اہل علم کے ہاتھ میں ہے اس لئے وہاں علومِ دینیہ کی خوب خوب آبیاری ہو رہی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اربابِ بست وکشاد کو بیش از بیش خیر وبرکات سے نوازے۔ آمین

جامعہ سلفیہ میں قیام کے دوران دیگر مشاغل علمیہ کے علاوہ "مقدمہ ابن الصلاح" کی تدریس بھی میرے حصہ میں آئی۔ چونکہ پانچ چھ سال سکول کے ماحول میں رہنے کی وجہ سے میری علمی استعداد کافی حد تک زنگ آلود ہو چکی تھی اس لئے اپنی کوتاہ علمی کی وجہ سے ابتداء میں مجھے بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ بلکہ صرف "ڈنگ ٹپاؤ" پالیسی پر عمل پیرا رہا لیکن "مرتا کیا نہ کرتا" کے مصداق میں نے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے خود کو کمربستہ کر لیا۔ دوسری طرف عزیز طلباء بھی اس جلیل القدر کتاب کے اسلوب اور انداز سے قطعاً ناآشنا تھے کیونکہ کہیں بے جا طوالت اور کسی مقام پر بحث کی تشنگی دامن گیر ہوتی چونکہ یہ کتاب "وفاق المدارس السلفیہ" کے نصاب میں بھی شامل تھی اس لئے اس کی تسہیل کے پیشِ نظر اسے اردو قالب میں سوالاً جواباً ڈھالنے کا بیڑا اٹھایا۔ ابھی مدرج کی بحث تک کام ہوا تھا کہ شومئی قسمت سے میرا تبادلہ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن ہو گیا پھر کیا تھا۔

ع آں قدح بہ شکست و آں ساقی نماند

وہاں کی شوریلی فضا اور شورش زدہ ماحول علمی کاموں کے لئے قطعاً سازگار نہ تھا اس طرح یہ کام ادھورا رہ گیا لیکن دوسری طرف اللہ رب العزت کو کچھ اور منظور تھا کہ عزیز مکرم زبیر ناصر مدیر مکتبہ ناصریہ

فیصل آباد نے اس اُدھورے کام کو مکمل کرنے کا پرزور مطالبہ کردیا لیکن میں عدیم الفرصتی کا بہانہ بنا کر انکار کرتا رہا۔ بالآخر عزیزم کا اصرار میرے انکار پر غالب آیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے حالات بھی سازگار کردیئے اس طرح چند دنوں میں اسے پایہء تکمیل تک پہنچانے کا موقع میسر آگیا۔ میں نے اس کتاب کا ترجمہ نہیں کیا اور نہ ہی اس کی ترجمانی کرسکا ہوں بلکہ بیشتر مباحث کو اپنے الفاظ میں سوالاً جواباً ادا کرنے کی کوشش کی ہے اس کے علاوہ اصول حدیث سے متعلق چند بنیادی معلومات، محدث ابن الصلاح کے حالات زندگی اور مقدمہ ابن الصلاح کی اہمیت وافادیت پر ایک مضمون کا اضافہ بھی کیا ہے۔ میں ہر اس اہل علم کا شکر گزار ہوں گا جو مجھے میری غلطی سے آگاہ کرے گا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازے اور عزیز طلباء کیلئے اسے ثمر آور بنائے۔ آمین

# اصولِ حدیث کے متعلق چند بنیادی معلومات

**جائے پیدائش** وہ اصول و ضوابط جن کے ذریعے احادیث کے متن اور سند کو قبول یا مسترد کرنے کی معرفت حاصل ہو۔

**موضوع** قبول یا مسترد کرنے کی حیثیت سے احادیث کا متن اور سند اس کا موضوع ہے۔

**غرض وغایت** فرامین رسول میں صحیح اور غیر صحیح کی چھان بین کرنے کا ملکہ حاصل ہونا اس کی غرض و غایت ہے۔

**بنیاد واساس** مصطلح الحدیث کی اساس قرآن وحدیث ہے، اس کے متعلقہ اساسی اصول اور بنیادی قواعد قرآن مجید اور سنتِ نبوی میں بیان کردیئے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا﴾ (الحجرات: ٦)

**ترجمہ** اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کسی قسم کی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اخبار وروایات کی چھان بین اور تحقیق ضروری ہے۔ خبر کی تحقیق، اس کے ذرائع ووسائل کی تحقیق سے ہوسکتی ہے۔ اگر وسائل حق وصداقت پر مبنی ہیں تو خبر

بھی درست ہوگی بصورت دیگر اسے مسترد کردیا جائے گا۔ ارشاد نبوی ہے : [**نضر الله امرأ سمع منّا شيئاً فَبلّغهُ كَمَا سَمِعَهُ فَرُبَّ مبلغ اوعى من سامع**] (جامع ترمذی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ اور خوش وخرم رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی اور ہم سے سننے کے مطابق ہی اس نے اسے آگے پہنچایا۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں بات پہنچائی جاتی ہے براہِ راست سننے والوں کی نسبت زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی بات کو آگے نقل کرنے کی صورت میں نہایت حزم واحتیاط اور دقت نظر سے کام لینا چاہئے۔ صحابہ کرام ؓ کا یہی معمول تھا کہ احادیث کے قبول کرنے اور انہیں آگے دوسروں تک پہنچانے کے لئے مذکورہ بالا رہنما اصولوں پر سختی سے کاربند رہے۔ علم اسناد کی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے امام ابن سیرینؒ اسی سند کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

**لم يكونوا يسألون عن الاسناد فلما وقعت الفتنةقالوا سموالنا رجالكم فينظر إلى اهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر إلى اهل البدع فلا يؤخذ حديثهم (مقدمه صحيح مسلم)**

"علماء حدیث ابتداءً سند کے متعلق کچھ استفسار نہیں کیا کرتے تھے مگر جب فتنوں نے سر اٹھایا تو انہوں نے بغرض تحقیق یہ مطالبہ شروع کردیا کہ اپنی روایت کے ناقلین کے متعلق بتاؤ کہ وہ کس پایہ کے ہیں۔ چنانچہ دیکھا جاتا کہ اگر ناقلین اہل سنت میں سے ہوتے تو ان کی بیان کردہ حدیث قبول کرلی جاتی اور اگر وہ اہل بدعت سے ہوتے تو ان کی روایت کو رد کردیا جاتا۔"

چنانچہ علم جرح وتعدیل اسی بنیاد پر معرض وجود میں آیا اور راویوں پر بحث کا آغاز ہوا نیز اسانید کے متصل یا منقطع ہونے کی طرف توجہ دی جانے لگی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بحث وتحقیق کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور نقل حدیث کے متعلق ضروری قواعد وضوابط سامنے آنے لگے پھر ان سینہ بند علوم کو جزوی طور پر متفرق انداز میں قلم بند کیا جانے لگا جیسا کہ امام شافعیؒ نے اپنی تصنیف "الرسالۃ" اور "کتاب الام" میں اسی انداز کو اختیار کیا ہے۔ بالآخر جب ان علوم میں پختگی آگئی اور اس سے متعلقہ اصطلاحات کی فنی حیثیت مسلّم ہوگئی تو علماء نے اصول حدیث کو باضابطہ طور پر کتابی شکل میں تالیف کرنا شروع کردیا اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے :

❶ **المحدث الفاصل بین الراوی والواعی** : یہ کتاب اس فن میں اوّلین تالیف تھی جسے قاضی ابو محمد حسن بن عبد الرحمٰن بن خلاّد الرامہرمزی نے تحریر کیا۔ چونکہ اس فن میں ابتدائی کتاب تھی اس لئے اصطلاحات حدیث کا اس میں پوری طرح احاطہ نہیں ہو سکا۔

❷ **معرفة علوم الحدیث** : اس کے مصنف ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری ہیں جنہیں اہل علم امام حاکم کے نام سے جانتے ہیں۔ فنی اعتبار سے یہ کتاب بھی مرتب نہیں۔

❸ **المستخرج علی معرفة علوم الحدیث** : امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی نے امام حاکم کی مذکورہ بالا کتاب کا استدراک کر کے اس میں بعض اصول و قواعد کا اضافہ کیا تاہم ان سے بھی کئی ایک مباحث رہ گئے ہیں۔

❹ **الکفایة فی علم الروایة** : یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک جامع تالیف ہے جسے امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت المعروف خطیب بغدادی نے تصنیف کیا ہے۔

❺ **الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع** : یہ بھی علامہ خطیب بغدادی کی تالیف ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ روایت حدیث کے سلسلہ میں طالب علم اور راوی حدیث کو کن کن اوصاف اور اخلاق و آداب کا حامل ہونا چاہئے۔

❻ **علوم الحدیث** : علامہ محدث ابن الصلاح کی تالیف جو "مقدمہ ابن الصلاح" کے نام سے اہل علم کے ہاں مشہور ہے اور اس وقت ایک نئے قالب میں آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے۔ اس کتاب کو بہت قبولیت حاصل ہوئی اس کی تشریحات واختصارات لکھے گئے ہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

(ا) **التقریب والتیسیر لمعرفة سنن البشیر والنذیر**: یہ کتاب مقدمہ ابن الصلاح کا اختصار ہے بڑی عمدہ تالیف ہے البتہ بعض مقامات پر بہت ابہام ہے۔ اسے امام نوویؒ نے تالیف کیا ہے۔

(ب) **تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی** : یہ امام نوویؒ کی کتاب "**التقریب**" کی شرح ہے اس میں علامہ جلال الدین سیوطی نے بے شمار علمی نکات اور **حدیثی** فوائد کو جمع کر دیا ہے۔

(ج) **نظم الدرر فی علم الاثر** : امام زین العلدین عبدالرحیم بن حسین العراقی نے مقدمہ ابن الصلاح کو اشعار میں نظم کیا ہے علمی حلقوں میں یہ کتاب "**الفیہ عراقی**" کے نام سے مشہور ہے۔

❼ **فتح المغیث فی شرح الفیة الحدیث** : امام محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی نے "**الفیہ**

**عراقی** "کی شرح لکھی ہے۔ یہ کتاب بڑی گراں قدر اور مفید معلومات کا خزینہ ہے۔

❽ **نخبة الفكر في مصطلح اهل الاثر** : یہ ایک مختصر مگر انتہائی معلومات افزا رسالہ ہے جسے حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ نے تالیف کیا ہے۔ اس کی ترتیب بہت عمدہ ہے، مؤلف نے خود ہی "**نزهة النظر**" کے نام سے اس کی ایک شرح لکھی ہے جو مدارس میں شامل نصاب ہے۔

❾ **المنظومة البيقونية** : علامہ عمر بن محمد البیقونی نے صرف چونتیس اشعار پر مشتمل یہ مختصر سی نظم لکھی ہے جس میں علم اصول حدیث کی تمام اصطلاحات کا احاطہ کیا گیا ہے اس کی کئی ایک شروحات لکھی گئی ہیں یہ بہت فائدہ مند اور نفع آور چیز ہے۔

❿ **قواعد التحديث** : اس کتاب کو علامہ محمد جمال الدین قاسمی نے تالیف کیا ہے، بڑی مفید اور گراں قدر تصنیف ہے جس سے مؤلف کے علمی تفوق کا پتہ چلتا ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ بھی اور بہت سی تالیفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام بزرگوں کو اپنے اجر جزیل سے نوازے اور ان کی مساعی حمیدہ کو ان کے لئے توشہ آخرت بنائے۔ آمین

# محدث ابن الصلاح رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی

**نام ونسب** ابو عمرو تقی الدین عثمان بن عبد الرحمٰن بن عثمان بن موسیٰ بن ابی النصر الکردی الشہر زوری الشرخانی الشافعی۔ ان کے والد کا لقب صلاح الدین تھا اس لئے ابن الصلاح کے نام سے مشہور ہوئے۔

**جائے پیدائش** آپ شہر زور کے قریب اربل شمالی عراق کے ایک گاؤں "شرخان" میں ۵۷۷ھ بمطابق ۱۱۸۱ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے گاؤں کی وجہ سے شرخانی کہلائے لیکن زیادہ مشہور نسبت شہر زوری ہے۔

**تحصیل علم** آپ کے والد گرامی بڑے جلیل القدر عالم اور نکتہ رس فقیہ تھے اسلئے ابن الصلاح نے ابتدائی طور پر اپنے والد سے کسبِ فیض کیا، علم فقہ میں ایسا رسوخ حاصل کر لیا کہ کم عمری میں ہی فقہ الشافعی کی کتاب "**المهذب**" کا درس دینے لگے، پھر ان کے والد نے انہیں موصل بھیج دیا جہاں آپ نے فقہ، حدیث تفسیر اور لغت جیسے علوم میں مہارت تامہ حاصل کی۔

**تحصیل علم کیلئے سفر** پھر آپ نے تحصیل علم کے لئے بلادِ اسلامیہ بغداد، خراسان اور شام وغیرہ کا سفر کیا اور متعدد شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے علم حدیث میں رسوخ پیدا کیا آپ کے شیوخ میں **عبیداللہ بن السمین ،عبدالمحسن،ابن الطوسی ، ابواحمدبن سکینہ ابوالفضل بن المعزم ،منصور مؤید ، جمال الدین عبدالصمد ،شیخ موفق الدین مقدسی ، فخرالدین بن عسا کر** اور ابو محمد بن علوان جیسے اساطین فن شامل ہیں۔

**درس وتدریس** تحصیل علم سے فراغت کے بعد مدرسہ ناصریہ میں درس دینا شروع کیا آپ وہاں مدت دراز تک درس وتدریس میں مصروف رہے بے شمار لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا پھر دمشق کے دارالحدیث میں تدریسی خدمات سرانجام دینے لگے۔ اس کے بعد زمرد خاتون بنت ایوب کے مدرسہ میں تدریس حدیث پر مأمور ہوئے اور تشنگانِ علوم کو فیض یاب کیا۔

**علمی مقام** آپ بڑے مشہور محدث تھے فنِ حدیث پر گہری نظر رکھتے تھے۔ حتی کہ اہل علم میں جب لفظ "شیخ" بولا جاتا تو اس سے آپ ہی مراد ہوتے۔ انہیں علم رجال میں بھی کافی مہارت تھی حدیث کے علاوہ فن تفسیر، فقہ اور لغت میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی۔ علامہ سخاوی نے اپنی کتاب "**فتح المغیث**" میں آپ کو بے شمار القاب سے نوازا ہے۔

**زہد وورع** آپ جس طرح علم وفن میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے تقویٰ اور پرہیز گاری میں بھی اپنی نظیر خود آپ تھے۔ اپنی قوم کی اصلاح، وعظ وارشاد اور دیگر اشغال خیر میں ہمیشہ سرگرداں رہتے۔

**وفات** آپ بروز بدھ مؤرخہ ۲۵ ربیع الآخر ۶۴۳ھ بمطابق ۱۲۴۵ء علی الصبح فوت ہوئے ظہر کے بعد آپکی نماز جنازہ پڑھی گئی اور باب النصر سے باہر مقابر صوفیہ میں دفن ہوئے۔ **رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ**

**تصانیف** آپ نے مختلف علوم میں کتابیں تصنیف کیں اہم تصانیف حسب ذیل ہیں :

- **طبقات الفقہاء الشافعیہ**
- **فوائدالرحلۃ**

- ادب المفتی والمستفتی
- شرح الوسیط
- الفتاویٰ
- صلة الناسك فی صفة المناسك
- شرح صحیح مسلم
- الامالی
- المؤتلف والمختلف
- علوم الحدیث جو مقدمہ ابن الصلاح کے نام سے مشہور ہے جس کی تلخیص ہدیہ قارئین ہے

## مقدمہ ابن الصلاح کی اہمیت وافادیت

حافظ ابن الصلاح کی یہ تصنیف بڑی جلیل القدر اور عظیم الشان ہے۔ مصطلحات حدیث کے فن میں یہ کتاب جملہ کتب سے فائق اور اعلیٰ درجہ کی حامل ہے، مصنف نے اس میں اصول حدیث کی مختلف مباحث کو جمع کر دیا ہے جو پہلے مختلف انداز میں متفرق طور پر بکھری ہوئی تھیں۔ علامہ موصوف نے اسے اپنی عمر کے آخری حصہ میں تصنیف کیا جبکہ آپ کو فنِ تدریس میں کافی تجربہ حاصل ہو چکا تھا اور علم وفن میں پختگی آچکی تھی۔ چنانچہ اس کتاب کے ایک نسخہ میں یہ عبارت مرقوم ہے:

"مصنف نے اس کو بروز جمعہ ۷ رمضان ۶۳۰ھ میں املاء کرانا شروع کیا اور آخر محرم ۶۳۴ھ میں نماز جمعہ اور نماز عصر کے درمیان اس کی تکمیل سے فراغت پائی۔"

علامہ موصوف گاہے بگاہے اسے املاء کرواتے تھے کتاب کے آغاز میں ایک اہم مقدمہ ہے جس میں علوم حدیث کا مرتبہ اور اس کی عظمت کو اجاگر کیا گیا ہے پھر مضامین کتاب کو علوم حدیث کی (۶۵) انواع میں تقسیم کر کے ان کی طویل فہرست ذکر کی ہے۔

**انداز واسلوب** علوم حدیث پر مشتمل یہ کتاب اگرچہ علمی فوائد اور فنی نکات سے بھرپور ہے تاہم مناسب انداز میں مرتب شدہ نہیں ہے۔ کیونکہ امام موصوف نے اسے اپنے شاگردوں کو تھوڑا تھوڑا کر کے املاء کروایا تھا، بعض مباحث میں بہت طوالت اور تکرار ہے جیسا کہ بحث "**معرفة كيفية سماع الحديث وتحمله وصفة ضبطه**" کو اتنا طول دیا ہے کہ ۴۶ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اسکے باوجود بعد میں آنے والے ائمہ کرام اور علماء عظام اس پر اعتماد کرتے آئے ہیں بہت سے علماء فن نے اس کا اختصار لکھا ہے جبکہ

کچھ حضرات نے اسے شعروں میں ڈھالا۔

**امتیازات و خصوصیات** : کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ موصوف نے اس کتاب میں چار باتوں کا خاص خیال رکھا ہے :

❶ متقدمین کی نصوص اور عبارات ذکر کر کے ان سے علوم حدیث کے اصول و ضوابط کا استنباط کیا ہے۔

❷ پہلے سے جو تعریفات چلی آرہی تھیں ان کو مہذب کر کے انہیں جامع مانع بنایا ہے اور کچھ تعریفات اپنی طرف سے وضع کی ہیں جو پہلے سے موجود نہ تھیں۔

❸ علماء متقدمین کی عبارات پر اٹھنے والے اعتراضات پر تنبیہ کی ہے اور ان کی طرف سے جوابات بھی تحریر کئے ہیں۔

❹ اپنی تحقیق اور اجتہاد سے علماء سابقین کے اقوال پر مناسب انداز میں تعاقب بھی کیا ہے۔

چنانچہ شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو جہاں "**قلت**" سے اپنے مؤقف کو بیان نہ کیا ہو۔ اس کے باوجود حزم و احتیاط کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ کسی اہم بحث کے اختتام پر "**واللہ اعلم**" کا لفظ ضرور لاتے ہیں۔

الغرض علوم حدیث میں یہ کتاب ایک بہترین تصنیف ہے، اسکی طرف علماء اصول نے توجہ دی چنانچہ نظم و نثر، اختصار و استدراک اور توضیح و تشریح کے ذریعہ اس کتاب کی خدمت کی ہے۔ علاوہ ازیں علمی تنقید و تائید کی سان پر چڑھ کر اس کتاب کی اہمیت و افادیت بہت ہی نمایاں ہوئی ہے۔

عبدالستار الحماد

**مرکز تعلیم القرآن**

نواب کالونی میاں چنوں

یکم رجب المرجب ۱۴۲۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**سوال نمبر 1** : صحیح حدیث کی تعریف کریں نیز بتائیں کہ **هذا حديث صحيح** اور **هذا حديث غير صحيح** کا کیا مطلب ہے؟

**جواب** صحیح حدیث میں پانچ شروط کا پایا جانا ضروری ہے جس میں تین وجودی ہیں اور دو عدمی ہیں :

## وجودی شرائط

❶ **اتصال السند** :اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی نے اپنے سے اوپر والے راوی سے براہ راست سنا ہو اور یہ سلسلہ آخر سند تک قائم رہے۔

❷ **عدل الرواة**:اس سے مراد یہ ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی عادل ہوں ،ان میں اخلاق اور مروت کے لحاظ سے کوئی خرابی نہ ہو۔

❸ **ضبط الرواة**:یہ ضبط دو طرح کا ہوتا ہے :

(ا)**ضبط الصدر**:یعنی سینے میں جو چیز محفوظ ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ آئے نیز بیان کرتے وقت اسے پوری طرح ادا کر دیا جائے۔

(ب)**ضبط النقل** :لکھتے وقت صحیح طور پر لکھا جائے اس میں کسی قسم کی تحریف یا کمی بیشی کو دخل نہ ہو۔

## عدمی شرائط :

❶ **عدم الشذوذ**:اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی جب بیان کرے تو اپنے جیسے یا اپنے سے ثقہ راویوں کی مخالفت نہ کرے۔

❷ **عدم العلة**:اسکا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں کوئی پوشیدہ کمزوری نہ پائی جائے۔

ان پانچ شرائط کی موجودگی میں کسی بھی حدیث پر صحیح ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔

**هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيحٌ** کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں صحت کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں۔ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ حقیقت میں یہ روایت صحیح ہے کیونکہ ثقہ راوی خواہ کتنے ہی پختہ کیوں نہ ہوں بحیثیت انسان غلطی کا امکان باقی رہتا ہے۔

اور محدثین کے قول **هذا حديث غير صحيح** کا مطلب یہ ہے کہ اس روایت میں صحت کی شرائط نہیں پائی جاتیں اس سے یہ مقصود ہرگز نہیں ہے کہ درحقیقت وہ روایت صحیح نہیں کیوں کہ زیادہ غلطیاں کرنے والے راوی کبھی کبھی صحیح بات بھی کہہ دیتے ہیں۔

**سوال نمبر 2** صحیح حدیث کی کتنی اقسام ہیں نیز "اصح الاسانید" کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

**جواب** صحیح حدیث کی سات اقسام ہیں:

1. جسے امام بخاری اور امام مسلم نے متفقہ طور پر بیان کیا ہو۔
2. جسے صرف امام بخاری نے بیان کیا ہو۔
3. جسے صرف امام مسلم نے بیان کیا ہو۔
4. جسے امام بخاری اور امام مسلم نے تو بیان نہ کیا ہو لیکن ان دونوں کی شرائط کے مطابق ہو۔
5. جو روایت صرف امام بخاری کی شرائط کے مطابق ہو۔
6. جو روایت صرف امام مسلم کی شرائط کے مطابق ہو۔
7. امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق نہ ہو البتہ صحیح کی تمام شرائط اس میں پائی جاتی ہوں

اصح الاسانید کا مطلب صحیح ترین سند ہے کسی حدیث کی سند کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ صحیح ترین ہے کیونکہ صحیح کی کئی ایک اقسام ہیں جو صحت کے لحاظ سے مختلف درجے رکھتی ہیں۔ کسی راویت میں کم درجہ کی شرائط صحیح پائی جاتی ہیں لہذا یہ فیصلہ مشکل ہے کہ ہم کسی سند کو اصح الاسانید کہہ سکیں۔

البتہ بعض محدثین نے چند روایات کے متعلق اصح الاسانید ہونے کا فیصلہ دیا ہے ان میں بعض یہ ہیں:

1. زهری عن سالم عن عبدالله بن عمر۔
2. محمد بن سیرین عن عبیده عن علی۔
3. مالك عن نافع عن عبدالله بن عمر۔
4. اعمش عن ابراهیم عن علقمه عن عبدالله بن مسعود
5. زهری عن علی بن الحسین عن ابیه عن علی۔
6. الشافعی عن مالك عن نافع عن ابن عمر۔

**سوال نمبر 3** کتب حدیث میں صحیح ترین کتاب کونسی ہے۔؟

**جواب** محدثین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حدیث کی کتابوں میں سے صحیح ترین کتاب کون سی ہے بعض محدثین نے امام بخاری کی کتاب کو کتب حدیث سے صحیح ترین کتاب قرار دیا ہے جب کہ بعض دوسرے محدثین امام مسلم کی کتاب کے صحیح ترین ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔اس میں شک نہیں ہے کہ حدیث کے موضوع پر سب سے پہلے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "مؤطا" لکھی ہے جس میں انہوں نے اس بات کا التزام نہیں کیا کہ تمام صحیح احادیث کو لایا جائے بلکہ اس میں مرسل، منقطع اور مقطوع روایات بھی شامل ہیں۔البتہ امام بخاریؒ سب سے پہلے محدث ہیں جنہوں نے اپنی کتاب میں اعلیٰ درجے کی صحیح احادیث جمع کرنے کا التزام کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اکثر محدثین کا یہ مقولہ مشہور ہے " **اصح کتاب بعد کتاب اللہ البخاری** "لیکن امام شافعی سے یہ بات منقول ہے کہ وہ امام مالک کی کتاب کو زیادہ درست کہتے ہیں جس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انہوں نے یہ بات امام بخاری کے کتاب لکھنے سے پہلے کہی تھی اگر وہ امام بخاری کی کتاب کو دیکھ لیتے تو اپنا یہ فیصلہ "مؤطا" کی بجائے "**الجامع الصحیح**" کے بارے میں دیتے۔

اسی طرح جن محدثین نے امام مسلم کی کتاب کو صحیح ترین کہا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ امام مسلم نے خطبہ کتاب کے بعد کوئی ایسی حدیث بیان نہیں کی جو منقطع یا موقوف ہو جب کہ امام بخاری نے تراجم ابواب میں ایسی روایات بیان کی ہیں جو مرفوع یا متصل نہیں ہیں البتہ متن کتاب میں کوئی ایسی روایت نہیں لائے جو ان کے معیار صحت کے مطابق نہ ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ امام مسلم کی کتاب ہر حیثیت سے امام بخاری کی کتاب پر فوقیت نہیں رکھتی۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمام کتب حدیث میں امام بخاری کی کتاب کو اعلیٰ مقام حاصل ہے اور وہ صحیح ترین احادیث کا مجموعہ ہے۔واللہ اعلم

**سوال نمبر 4** استخراج کی تعریف کریں اور اس کے فوائد بتائیں۔؟

**جواب** کسی کتاب میں بیان شدہ احادیث کو اپنی سند سے بیان کرنا استخراج کہلاتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی دوسرا محدث احادیث بیان کرتے وقت اصل مصنف کے کسی استاد کے ساتھ اپنا سلسلہ سند ملا دیتا ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ ان بیان کردہ احادیث کو کم سے کم واسطوں سے نقل کرے۔اگر وہ

مصنف کی بیان کردہ سند کو سامنے رکھ کر حدیث نقل کرتا تو اس میں زیادہ واسطے آجاتے ان زیادہ واسطوں سے بچنے کے لئے استخراج کا طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ کچھ محدثین نے امام مسلم کی کتاب پر استخراج کیا ہے جیسا کہ محدث ابو عوانہ نے "مستخرج علی صحیح مسلم" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اسی طرح ابو بکر الاسماعیلی نے "مستخرج علی صحیح البخاری" تصنیف کی ہے بعض محدثین نے بخاری اور مسلم دونوں کتابوں میں بیان کردہ احادیث کو اپنی سند سے بیان کیا ہے جیسا کہ محدث ابو نعیم الاصفہانی نے "**المستخرج علی الصحیحین**" لکھی ہے۔

**فوائد** : اس طرح استخراج کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں :

❶ **علو اسناد** : محدث کم واسطوں سے حدیث بیان کر کے عالی سند کا اعزاز حاصل کرتا ہے اس سند عالی کو محدثین کے ہاں بڑا مقام حاصل ہے۔

❷ **واقعات کی تکمیل** : صحیحین کی بیان کردہ روایات میں اضافے، تتمہ جات اور واقعات کی تکمیل کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔

❸ **حل تناقض** : تعارض کے وقت ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دینے کے لئے یہ استخراج کام آتا ہے۔

**سوال نمبر 5** محدثین کی تعریفات کا حوالہ دیتے ہوئے حدیث حسن کی جامع مانع تعریف کریں؟

**جواب** علامہ خطابی نے حسن کی تعریف یوں کی ہے کہ "جس کے راوی مشہور ہوں اور اس کا مخرج معروف ہو" لیکن اس تعریف پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں حسن اور صحیح میں کوئی تمیز نہیں رہتی۔ کیونکہ صحیح روایت کے راوی بھی مشہور ہوتے ہیں اور اس کا مخرج بھی معروف ہوتا ہے۔

امام ترمذی نے حسن کی تعریف یوں کی ہے کہ جس میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں۔

❶ اس کے سلسلہ اسناد میں کوئی راوی جھوٹ کے متعلق تہمت زدہ نہ ہو۔

❷ وہ حدیث شاذ نہ ہو۔

❸ وہ حدیث کئی ایک طرق سے مروی ہو۔

اس تعریف پر اعتراض کیا گیا ہے کہ بعض ایسی احادیث ہیں جنہیں امام ترمذی نے حسن کہا ہے

لیکن وہ ایک ہی طریق سے مروی ہیں مثلاً ایک حدیث بیان کرنے کے بعد امام ترمذی یوں بیان فرماتے ہیں :

**هذا حديث حسن لا نعرفه إلا من هذا الوجه**

"یہ حدیث حسن ہے ہم اسے اس طریق کے علاوہ کسی اور طریق سے نہیں پہچانتے۔"

محدث ابن الصلاحؒ نے ان دونوں تعریفات کو ناقص قرار دے کر اپنی طرف سے اس کی دو اقسام بیان کی ہیں۔

❶ جس حدیث کی سند میں کوئی ایسا مستور راوی آجائے جس کی استعداد و لیاقت اور اہلیت ثابت نہ ہو البتہ وہ غفلت شعار، زیادہ غلطیاں کرنے والا اور احادیث کے متعلق جھوٹ بولنے میں تہمت زدہ نہ ہو اور وہ بایں طور پر مشہور ہو کہ اس کی تائید میں دیگر روایات موجود ہوں نیز وہ روایت شاذ اور منکر بھی نہ ہو اس طرح کی روایت کو حسن کہا جاتا ہے۔

❷ کسی روایت کے راوی صدق و امانت میں مشہور ہوں البتہ حافظہ اور پختگی میں صحیح روایت کے راویوں سے کم درجہ رکھتے ہوں اس طرح کی روایت اگر منفرد ہو تو اسے شاذ اور منکر بھی کہا جائے اس طرح ان صفات کی حامل روایت کو بھی حسن کہتے ہیں۔

محدث ابن الصلاح کی بیان کردہ دونوں اقسام پر بھی اعتراض کی گنجائش ہے تاہم حسن کی جامع مانع تعریف وہ ہے جو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے "اس میں صحیح کی تمام صفات پائی جائیں البتہ اس کے راوی حفظ و ضبط میں صحیح کے رواۃ سے کم درجہ رکھتے ہوں۔

البتہ کثرت طرق سے یہ کمی بھی دور ہو جاتی ہے یعنی حسن کی تعریف میں یہ بات شامل ہے کہ وہ حدیث کئی طرق سے مروی ہو اس طرح اگر اس حدیث میں کوئی کمی ہو گی تو کثرت طرق کی بناء پر دور ہو جائے گی۔

**سوال نمبر 6** بعض ضعیف روایات کئی ایک طرق سے مروی ہونے کے باوجود بھی ضعیف رہتی ہیں ایسا کیوں ہوتا ہے۔؟

**جواب** ضعیف حدیث میں جو کمزوری پائی جاتی ہے اس کی کئی ایک اقسام ہیں بعض کمزوریاں ایسی ہوتی ہیں جو کثرت طرق سے دور ہو جاتی ہیں اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کی کثرت طرق سے تلافی نہیں ہو سکتی

مثلاً ایک حدیث اس لئے ضعیف ہے کہ اس کے بیان کرنے والے کے حافظہ میں کچھ کمی پائی جاتی ہے۔ البتہ وہ صداقت، دیانت اور امانت میں کوئی کمی نہیں رکھتا ہے اس طرح کی روایت کو جب ہم کسی اور طریق سے پاتے ہیں تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ پہلی روایت کے بیان کرنے والے کی بات صحیح ہے اور اس کے حافظہ نے اس سلسلہ میں کوئی خیانت نہیں کی ہے اسی طرح ہمارے پاس ایک مرسل روایت پہنچتی ہے جسے کسی بڑے امام نے بیان کیا ہے اس طرح کی روایت جب کسی اور طریق سے بیان ہو تو مرسل روایت بھی درجہ صحت کو پہنچ جاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی روایت میں بہت اونچے درجے کا ضعف ہو کہ اس میں کوئی ایسا راوی موجود ہے جو متہم بالکذب ہے یا وہ روایت کسی دوسری صحیح روایت کے خلاف ہے تو اس طرح کا ضعف کسی صورت میں زائل نہیں ہوگا خواہ وہ کتنے ہی طرق سے مروی ہو۔

**سوال نمبر 7** جب صحیح اور حسن دو الگ الگ حدیثیں ہیں تو بعض ائمہ کسی حدیث کے متعلق حسن صحیح کہہ دیتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟

**جواب** سب سے پہلے جس محدث نے حسن روایات کو شہرت دی وہ امام ابو عیسیٰ الترمذی ہیں کیونکہ وہ بار بار اپنی کتاب میں یہ اصطلاح استعمال کرتے ہیں "**هذا حديث حسن**" یا "**هذا حديث حسن صحيح**" البتہ حسن صحیح کے متعلق محدثین کرام نے کئی ایک جوابات دیئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

❶ ان الفاظ کا تعلق سند حدیث سے ہے یعنی اگر کوئی روایت دو سندوں سے مروی ہے جس کی ایک سند حسن اور دوسری صحیح ہے تو امام ترمذی اس کے متعلق حسن صحیح کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ لیکن یہ جواب اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے جب وہ روایت دو یا دو سے زائد سندوں سے مروی ہو۔ اگر وہ روایت ایک ہی سند سے مروی ہے تو پھر یہ جواب درست نہیں رہے گا۔

❷ حسن سے مراد اس کا لغوی معنی ہے یعنی اس حدیث میں کوئی ایسی بات بیان ہوئی ہے جس کی طرف دل کا جھکاؤ اور نفس کا میلان ہے۔ اس سے مراد اصطلاحی معنی نہیں ہے اس جواب پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ایسی موضوع روایت جس کے الفاظ بہترین ہوں اور اس میں کوئی اچھی بات بیان ہوا سے بھی حسن کہہ دینا چاہئے حالانکہ کوئی محدث بھی کسی موضوع روایت کو اس کے اچھے الفاظ اور بہترین معنی کے پیش نظر حسن نہیں کہتا۔

❸ اس جملہ میں "أوْ" کا لفظ محذوف ہے یعنی راوی کے متعلق محدثین کا اختلاف ہے بعض اسے ثقہ کہتے ہیں اور کچھ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں اس بناء پر مذکورہ روایت حسن یا صحیح ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ **هذا حديث صحيح** اور **هذاحديث صحيح الاسناد** میں بہت فرق ہے جیسا کہ **هذا حديث حسن** اور **هذا حديث حسن الاسناد** میں نمایاں فرق ہے کیونکہ **هذا حديث صحيح** اور **هذا حديث حسن** کا مطلب یہ ہے کہ حدیث مذکورہ سند اور متن کے لحاظ سے بالکل صحیح یا حسن ہے جبکہ صحیح الاسناد یا حسن الاسناد میں صرف صحت سند یا حسن سند کا بیان ہے متن کا بیان نہیں ہے۔

**سوال نمبر 8** حسن روایات کے متعلق امام بغوی یا امام ابو داؤد کی اصطلاحات میں کیا فرق ہے۔؟

**جواب** امام بغوی نے اپنی کتاب "**المصابیح**" میں ایک خاص اصطلاح استعمال کی ہے کہ جو بخاری اور مسلم کی روایات ہیں انہیں "**الصحاح**" کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جو ان کے علاوہ ہیں انہیں "**الحسان**" کہتے ہیں اس "**الحسان**" سے مراد حسن روایات نہیں ہیں بلکہ ان کی یہ خاص اصطلاح ہے۔

حسن روایات کو تلاش کرنے کے لئے امام ابو داؤد کی کتاب "**السنن**" ہے اس میں وہ فرماتے ہیں کہ "میں نے اس کتاب میں صحیح روایات ذکر کی ہیں یا صحیح کے قریب قریب اور اس سے ملتی جلتی روایات کو جمع کیا ہے۔"

نیز وہ فرماتے ہیں کہ "میری اس کتاب میں جو سخت ضعیف روایت ہو گی اسے میں بیان کردوں گا اور جس حدیث کے متعلق میں کچھ بیان نہ کروں وہ قابل حجت ہو گی۔" محدث ابن الصلاح کے نزدیک اگر کوئی روایت ابو داؤد میں ایسی آجائے جو **صحیحین** میں نہیں ہے اور اس کی صحت پر کسی محدث نے کوئی اعتراض نہیں کیا ہے اور امام ابو داؤد نے بھی سکوت فرمایا ہے وہ روایت حسن درجہ کی ہو گی لیکن یہ قانون مطلق طور پر صحیح نہیں ہے بلکہ امام ابو داؤد بعض ایسی روایات پر بھی سکوت کر جاتے ہیں جو انتہا درجہ کی ضعیف ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابو داؤد کے نزدیک انسان کی اپنے رائے کے مقابلہ میں حدیث ضعیف زیادہ وزن رکھتی ہے۔ لہذا وہ کسی امام کا قول یا رائے بیان کرنے کی بجائے ضعیف حدیث پیش کر دیتے ہیں اور اس پر سکوت اختیار فرماتے ہیں۔

**سوال نمبر 9** مسند اور متصل کی تعریف کریں۔؟

**جواب** محدث ابن الصلاح نے مسند کی تعریف میں تین مختلف اقوال پیش کئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

❶ امام ابوبکر خطیب بغدادیؒ کے نزدیک مسند کی تعریف یہ ہے کہ "جس روایت کی سند شروع سے آخر تک متصل ہو" اس تعریف میں وہ موقوف روایات اور تابعین کے اقوال بھی آجاتے ہیں جو متصل سند سے مروی ہوں اگرچہ استعمال کے لحاظ سے مسند کی تعریف میں وہی روایات آتی ہیں جو رسول ﷺ سے منقول ہوں۔

❷ ابوبکر عمرو بن عبد البرؒ نے مسند کی تعریف یوں کی ہے کہ "جو روایت رسول ﷺ کی طرف منسوب ہو اسے مسند کہا جائے گا" اس تعریف میں منقطع اور معضل روایات بھی شامل ہو جاتی ہیں حالانکہ کسی امام نے بھی ان روایات کو مسند میں شامل نہیں کیا ہے۔

❸ امام حاکم نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ "مسند وہ روایت ہے جس کی سند متصل ہو اور وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو۔

یہ آخری تعریف صحیح ہے اسی پر محدثین نے اتفاق کیا ہے۔

**متصل کی تعریف**: اس کا دوسرا نام موصول بھی ہے اس سے مراد وہ روایات ہیں جن میں ایک راوی اپنے سے اوپر والے سے براہ راست بیان کرے اور یہ سلسلہ شروع سند سے آخر سند تک قائم رہے۔ متصل روایات مرفوع بھی ہو سکتی ہیں اور موقوف پر بھی ان کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

**متصل مرفوع کی مثال: مالك عن ابن شهاب عن سالم عن ابن عمر عن رسول الله ﷺ**

**متصل موقوف کی مثال: مالك عن نافع عن ابن عمر عن عمر رضی الله عنهما**

واضح رہے کہ تابعین کے اقوال کو متصل نہیں کہا جائے گا ہاں اگر امام کے نام کے ساتھ انہیں مقید کر دیا جائے جیسے "**متصل إلى زهرى**" یا "**متصل إلى مالك**" تو جائز ہے۔

**سوال نمبر 10** مرفوع کی تعریف اور اس کی اقسام بیان کریں؟

**جواب** مرفوع وہ روایت ہے جو خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو مرفوع کی اس تعریف

میں متصل، منقطع اور مرسل روایات بھی شامل ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کا انتساب بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف ہوتا ہے۔ محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک مرفوع اور مسند میں کوئی فرق نہیں ہے جبکہ اکثریت کا خیال ہے کہ منقطع اور متصل روایات تو مرفوع کی تعریف میں شامل ہیں لیکن مسند وہی روایت ہو گی جو متصل ہونے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو۔ البتہ خطیب بغدادی نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

"مرفوع وہ روایت ہے کہ جس میں ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی بات یا آپ کا عمل نقل کرے۔"

اس تعریف سے تابعین کی بیان کردہ مرسل روایات مرفوع کی تعریف سے خارج ہو جاتی ہیں جب محدثین مرفوع روایت کو مرسل کے مقابلہ میں بیان کریں تو اس سے مراد مرفوع متصل ہوتی ہے۔

**مرفوع کی اقسام** مندرجہ ذیل اقسام بھی مرفوع کے حکم میں شامل ہیں:

١ صحابی کا یہ کہنا کہ "**کنانفعل**" یا" **کنانقول فی عهد رسول ﷺ او فی حیاته**"
ہم یہ کام یا یہ بات رسول ﷺ کے عہد مبارک یا زندگی میں کیا کرتے تھے یا کہا کرتے تھے۔

٢ **کنالا نریٰ بأسًا ورسول اللّٰه ﷺ فینا** ہم رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اس کام یا بات کے متعلق کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔

٣ **اُمِرنا یانهینا یا من السنة** کے الفاظ استعمال کئے جائیں یعنی ہمیں حکم دیا جاتا تھا یا ہمیں منع کیا جاتا تھا یا سنت سے ہے وغیرہ۔

٤ تابعی کسی صحابی کے متعلق یہ الفاظ استعمال کرے **یرفع الحدیث ،ینمیه یبلغه یا یرویه**

٥ صحابہ کرام ﷺ کے ایسے اقوال وافعال جن میں رائے اور قیاس کو دخل نہ ہو۔

٦ سبب نزول کے متعلق صحابہ کرام ﷺ کی تفسیری روایات

٧ گزشتہ امور کے متعلق روایات

٨ پیش گوئی کے طور پر بیان کی گئی روایات ، یہ سب مرفوع کے حکم میں ہیں۔

**سوال نمبر 11** موقوف کی تعریف اور اس کی اقسام بیان کریں؟

**جواب** صحابہ کرام کے اقوال وافعال کو موقوف روایات سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی دو اقسام ہیں

❶ **موقوف متصل**: صحابہ کرام کے ایسے اقوال وافعال جن کے سلسلہ سند میں صحابی تک کوئی راوی محذوف نہ ہو۔

❷ **موقوف غیر متصل**: صحابی تک کے سلسۂ سند میں کوئی راوی محذوف ہو۔

صحابی کے علاوہ تابعین کے اقوال وافعال کو بھی بعض محدثین نے موقوف کے لفظ سے تعبیر کیا ہے لیکن اسے مقید کر دیتے ہیں جیسے **وقفه فلان علی فلان**

بعض فقہاء کے نزدیک موقوف کا دوسرا نام "اثر" بھی ہے جبکہ محدثین کے ہاں یہ اصطلاح اس معنی میں معروف نہیں ہے۔

صحابی اگر **کنا نفعل کذا یاکنا نقول کذا** کہتا ہے اور اسے رسول ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرتا تو یہ بھی موقوف روایات میں شامل ہو گی۔

**سوال نمبر 12** محدث ابن الصلاح نے مرسل کی جو تعریفات بیان کی ہیں انہیں اپنے الفاظ میں بیان کریں؟

**جواب** محدث ابن الصلاح نے مرسل کی چار تعریفیں ذکر کی ہیں جن میں ایک متفق علیہ اور تین مختلف فیہ ہیں۔

❶ ایک بڑا تابعی جس نے بے شمار صحابہ کرام سے ملاقات کی ہو جیسا کہ عبید اللہ بن عدی اور سعید بن مسیب اگر اس طرح کا تابعی درمیان سے صحابی کا واسطہ چھوڑ کر روایت بیان کرے اور براہ راست رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرے تو اسے مرسل کہا جاتا ہے محدثین کے ہاں یہ قسم متفق علیہ ہے۔

❷ اگر سلسلۂ سند تابعی سے پہلے پہلے منقطع ہو گیا تو ایسی روایت کو مرسل شمار کرنے کے متعلق اختلاف ہے۔ امام حاکم کے نزدیک یہ منقطع ہے کیونکہ مرسل کے لئے کسی تابعی کا رسول اللہ ﷺ سے نقل کرنا ضروری ہے فقہاء احناف اور محدثین میں سے خطیب بغدادی نے بھی اسے مرسل شمار کیا ہے۔

❸ صغار تابعین جنہوں نے صرف ایک یا دو صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے اور ان کی بیشتر روایات تابعین کرام سے ہیں جیسا کہ ابو حازم اور یحییٰ بن سعید وغیرہ اگر اس طرح کے تابعین کسی روایت کو

نبی اکرم ﷺ کے حوالہ سے بیان کریں تو اس کے متعلق بھی محدثین کا اختلاف ہے بعض اسے مرسل کہتے ہیں جبکہ کچھ محدثین اسے منقطع کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

❸ سلسلہ سند میں کسی راوی کا مبہم طور پر ذکر آجائے۔ مثلاً **فلان عن رجل عن النبی ﷺ** اس کے متعلق بھی محدثین کا اختلاف ہے امام حاکم نے "معرفۃ علوم الحدیث" میں بیان کیا ہے کہ اس طرح کی روایات مرسل نہیں کہلائیں گی جب کہ بعض فقہاء نے اسے بھی مرسل کی قسم میں شامل کیا ہے ہمارے نزدیک اس میں ذرا تفصیل ہے۔

اگر کوئی راوی مطلق طور پر یوں کہتا ہے کہ **فلان عن رجل عن النبی ﷺ** تو ایسی روایت قابل قبول نہیں کیونکہ مبہم راوی کے متعلق کوئی پتہ نہیں کہ وہ تابعی ہے یا صحابی ہے، اگر وہ تابعی ہے تو ثقہ ہے یا غیر ثقہ

اگر **رجل** کے ساتھ **من اصحاب النبی ﷺ** کا اضافہ کرتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ وہ **عن** کے ساتھ بیان کرتا ہے یا اس سے روایت لینے اور سننے کی تصریح کرتا ہے اگر صرف یوں کہتا ہے **فلان عن رجل من اصحاب النبی ﷺ** تو اس روایت کے متعلق توقف کیا جائے گا اور اگر یوں کہتا ہے کہ **سمعت یا اخبرنی رجلٌ من اصحاب النبی ﷺ** تو تمام محدثین کے نزدیک یہ روایت قابل حجت اور لائق عمل ہے۔

**سوال نمبر 13** مرسل اور منقطع میں کیا فرق ہے نیز مرسل الصحابی کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

**جواب** محدثین نے مرسل اور منقطع میں چار طرح سے فرق کو بیان کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

❶ امام حاکم کے نزدیک مرسل روایت تابعین کے ساتھ خاص ہے اور منقطع یہ ہے کہ سلسلہ سند میں کسی بھی جگہ انقطاع آجائے۔ پھر ان کے نزدیک انقطاع کی دو اقسام ہیں:

(ا) درمیان سے کسی راوی کو بایں طور حذف کر دیا جائے کہ اس کو تعین یا ابہام کے طور پر بھی ذکر نہ کیا جائے۔

(ب) درمیان میں کسی راوی کا تذکرہ صرف مبہم طور پر ہو اور اس کی تعیین نہ کی جائے۔

❷ ابن عبد البرؒ کے نزدیک بایں طور فرق کیا گیا ہے کہ مرسل روایات تو تابعین کے ساتھ

مخصوص ہیں جبکہ منقطع روایات مرسل اور اس کے علاوہ دیگر روایات کو بھی شامل ہیں ان کے نزدیک جس کی سند متصل نہ ہو وہ منقطع ہے خواہ اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہو یا کسی اور کی طرف۔

③ علامہ خطیب بغدادی اور دیگر فقہاء احناف کے نزدیک منقطع اور مرسل میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے پر صادق آتی ہیں ان کے نزدیک جس روایت میں کہیں بھی انقطاع آجائے وہ منقطع اور مرسل ہے۔

④ بعض محدثین نے اس فرق کو یوں واضح کیا ہے کہ تابعی اگر رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتا ہے تو یہ مرسل ہے اور تابعین، تبع تابعین اور دیگر ائمہ دین کے اقوال وافعال منقطع روایات میں شامل ہیں۔ لیکن منقطع کی یہ تعریف درست نہیں ہے کیونکہ محدثین کے نزدیک ایسی روایات منقطوع کہلاتی ہیں۔

**مرسل الصحابی** ایسے صحابہ کرام جنہوں نے صغر سنی میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو وہ اگر کسی روایت کو رسول اللہ ﷺ سے نہ سننے کے باوجود براہ راست آپ سے بیان کرتے ہیں تو اسے مرسل الصحابی کہتے ہیں۔ اس طرح کی روایات موصول کے حکم میں ہیں کیونکہ ان کی بیشتر روایات صحابہ کرام سے ہی مروی ہوتی ہیں اگر کسی صحابی کا نام روایت کرتے وقت بیان نہ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ محدثین کے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ **الصحابة کلهم عدول** یعنی صحابہ کرام سب کے سب راست باز اور دیانت دار ہیں۔ اگرچہ بعض صغار صحابہ نے تابعین کبار سے بھی روایات لی ہیں لیکن ایسی روایات کا تعلق اسرائیلیات یا حکایات یا موقوف روایات سے ہے واضح رہے کہ بعض صحابہ کرام نے تابعین کے واسطہ سے بھی مرفوع روایات بیان کی ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔

**سوال نمبر 14** مسائل واحکام میں مرسل روایت حجت ہے یا نہیں تفصیل سے بیان کریں؟

**جواب** اصولی طور پر مرسل روایت ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے کیونکہ اس میں قبولیت کی شرائط میں سے دو شرائط معدوم ہیں یعنی ایک سند کا متصل ہونا دوسرا محذوف راوی کی جہالت کیونکہ ممکن ہے کہ محذوف راوی صحابی ہو یا تابعی ہو اگر وہ تابعی ہے تو اس کے ضعیف اور ناقابل اعتبار ہونے کا بھی احتمال ہے لیکن یہ انقطاع اپنے اندر ایک الگ نوعیت رکھتا ہے کیونکہ اکثر اوقات مرسل روایات میں صحابی کا واسطہ ہی محذوف ہوتا ہے جو قبولیت کے لئے رکاوٹ نہیں ہے اس بناء پر محدثین کے ہاں حجیت مرسل کے متعلق تین آراء ہیں۔

❶ جمہور محدثین اور دیگر فقہاء عظام مرسل روایات کو نا قابل اعتبار خیال کرتے ہیں

❷ بعض فقہاء مطلق طور پر مرسل روایات کو قابل حجت سمجھتے ہیں ان کے دلائل یہ ہیں۔

ا جب ایک ثقہ راوی بڑے وثوق سے رسول اللہ ﷺ کے حوالہ سے ایک روایت بیان کرتا ہے تو حسن ظن رکھنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ سے ضرور کسی صحابی نے سنا ہو گا جس کا سند میں ذکر نہیں آسکا۔

ب ظاہر یہی ہے کہ تابعین عظام نے ذخیرہ احادیث حضرات صحابہ کرام سے حاصل کیا ہے اور صحابہ کرام سب کے سب ثقہ اور عادل ہیں لہذا اگر ان کا ذکر سلسلہ سند میں نہ آئے تو کوئی حرج نہیں۔

ج پہلی تین صدیاں جن کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ نے خیر القرون ہونے کی شہادت دی ہے اس شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرسل روایات بیان کرنے والے انتہائی راست باز اور عادل لوگ ہیں جب ہمیں ان کی جرح کے متعلق کوئی علم نہیں تو یقیناً وہ ثقہ ہوں گے اور ان کی بیان کردہ روایات قابل قبول ہوں گی۔

❸ بعض محدثین نے مشروط طور پر مرسل روایت کو قابل حجت تسلیم کیا ہے مثلاً امام مالک کے نزدیک وہ مرسل روایت قابل حجت ہے جو ایسے راوی سے بیان کی گئی ہو جو ہمیشہ ثقہ راویوں سے روایت لیتا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ مرسل روایت قابل حجت ہوتی ہے جس کا بیان کرنے والا پہلی تین صدیوں میں سے ہو اس سلسلہ میں حضرت امام شافعیؒ کی بات آخری اور فیصلہ کن ہے۔ وہ یہ ہے کہ مرسل روایت کے قبول کرنے کے لئے چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ان میں سے تین شرائط راوی سے متعلق ہیں اور ایک شرط اس روایت سے متعلق ہے تفصیل یہ ہے :

وہ شرائط جو راوی سے متعلق ہیں :

❶ مرسل روایت بیان کرنے والا بڑا تابعی ہو۔

❷ جب کبھی کسی محذوف واسطے کا ذکر کرے تو وہ واسطہ بھی ثقہ ہو۔

❸ جب دوسرے محدثین روایت بیان کرنے میں اسکے شریک ہوں تو وہ اسکی مخالفت نہ کریں۔

❹ وہ شرط جس کا روایت سے تعلق ہے وہ یہ ہے کہ مذکورہ روایت کسی اور طریقہ سے بھی مروی

ہو یا اس کا بیان کسی صحابی کے قول کے مطابق ہو یا اس کے بیان کے مطابق اکثر اہل علم کا فتویٰ ہو۔

جب یہ شرائط کسی مرسل روایت میں پائی جائیں گی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مرسل روایت صحیح اور قابل حجت ہے بصورت دیگر مرسل روایت ضعیف کی اقسام میں شمار ہو گی۔

**سوال نمبر 15** معضل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کریں جسے محدث ابن الصلاح نے لغوی طور پر مشکل کہا ہے؟

**جواب** لغوی طور پر یہ "اَعْضَلَ" کا اسم مفعول ہے جس کا معنی تھکا ماندہ ہے ابن الصلاح نے لغوی طور پر اس کی توجیہ کو مشکل قرار دیا ہے کیونکہ اس کا مجرد لازم استعمال ہوتا ہے اور باب افعال میں اسے متعدی استعمال ہونا چاہئے تھا لیکن اسے باب افعال میں بھی لازم استعمال کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ باب افعال لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور اس مقام پر "عَضَلَ" اور "اَعْضَلَ" دونوں استعمال ہوتے ہیں۔

**اصطلاحاً** : معضل اس کو کہتے ہیں جس کی سند سے مسلسل دو یا زیادہ راوی حذف ہوں یہ بھی منقطع کی خاص قسم ہے لیکن ہر منقطع روایت کو معضل نہیں کہا جائے گا۔

**اس کی اقسام**

❶ ایک تبع تابعی کسی روایت کو براہ راست نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتا ہے چونکہ اس میں تابعی اور صحابی کا واسطہ چھوڑ دیا ہے اس بناء پر اسے معضل کہا جاتا ہے۔

❷ اگر کوئی محدث "بَلَغَنِی" کے لفظ سے حدیث بیان کرتا ہے اور پوری سند کا حوالہ نہیں دیتا اسے بھی معضل کہتے ہیں مثلاً امام مالک کے بلاغات مشہور ہیں۔

❸ عام مصنفین اور فقہاء جو سند کے بغیر احادیث بیان کرتے ہیں محدثین کرام نے ایسی روایات کو بھی معضل کہا ہے البتہ خطیب بغدادی اس طرح کی روایات کو مرسل کہتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ہر وہ حدیث جس کی سند متصل نہ ہو مرسل کہلاتی ہے۔

❹ ایک تبع تابعی اپنے استاد سے حدیث بیان کرتا ہے اور سند میں صحابی اور نبی اکرم ﷺ کا حوالہ نہیں دیتا بلکہ اس کے بغیر موقوف کر دیتا ہے اسی بھی معضل کہتے ہیں۔ مثلاً اعمش **شعبی** سے بیان کرتے ہیں

**یقال الرجل یوم القیامة.....الخ**

حالانکہ یہ حدیث جب دوسرے طرق سے بیان کی جاتی ہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں چونکہ اعمش نے صحابی اور نبی کا واسطہ چھوڑ دیا ہے اسے بھی معضل کہا جاتا ہے۔

**سوال نمبر 16** **معنعن** کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کریں اور کیا یہ متصل سے ہے یا منقطع ہے ؟

**جواب** لغوی لحاظ سے یہ **عَنْعَن** کا اسم مفعول ہے جس کا معنی لفظ **عَن** استعمال کرنا ہے اصطلاحی طور پر اس روایت کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی راوی **عَنْ فلان** کہہ کر حدیث بیان کرے مثلاً **عن عثمان ابن عروة عن عائشة الی اٰخرہ**

**محدثین کا اختلاف** اس قسم کی روایت کے متعلق محدثین کا اختلاف ہے کہ یہ منقطع ہے یا متصل ؟

اس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

❶ بعض علماء نے اس قسم کی روایت کو منقطع اور مرسل کہا ہے البتہ اس کا اتصال ثابت ہو جائے تو اسے متصل قرار دیا جائے گا۔

❷ جمہور محدثین نے اسے متصل کہا ہے اور جن محدثین نے اپنی تصانیف میں صحیح روایات لانے کی پابندی کی ہے انہوں نے اس طرح کی روایات کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے البتہ انہوں نے اسے متصل کے طور پر قبول کرنے کے لئے چند شرائط ذکر کی ہیں جن میں دو اتفاقی ہیں اور باقی اختلافی ہیں۔

## اتفاقی شرائط :

❶ **عن** کے ساتھ بیان کرنے والا راوی مدلس نہ ہو۔

❷ بیان کرنے والا اور جس سے بیان کرتا ہے ان کی آپس میں ملاقات کا امکان ہو۔

امام مسلم نے صرف انہی دو شرطوں پر اکتفا کیا ہے اس کے علاوہ کسی اور شرط کو تسلیم نہیں کرتے

## اختلافی شرائط :

❶ ملاقات کا صرف امکان ہی کافی نہیں بلکہ حقیقتاً ملاقات ثابت ہو۔

امام بخاری اور انکے استاد امام علی بن مدینی جیسے محققین نے اس شرط کو معتبر قرار دیا ہے۔

❷ عرصہ دراز تک انکی آپس میں مجلس ثابت ہو یہ شرط **ابو المظفر السمعانی** نے بیان کی ہے۔

③ وہ راوی اس سے روایت لینے میں مشہور و معروف ہو یہ شرط **ابو عمرو المقری** نے بیان کی ہے۔

سوال نمبر 17 **مؤنن** کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کریں نیز اس میں اور **معنعن** میں فرق واضح کریں؟

جواب لغوی لحاظ سے **اَنَّنَ** کا اسم مفعول ہے جس کا معنی **اَنَّ** کا استعمال کرنا ہے اور محدثین کی اصطلاح میں راوی کا اس طرح روایت بیان کرنا کہ "**حدثنا فلان اَنَّ فلانا**" **مؤنن** کہلاتا ہے۔

جمہور اہل علم اور امام مالک کے نزدیک **ان فلانا** اور **عن فلان** میں کوئی فرق نہیں ہے ان کے نزدیک حروف اور الفاظ کا کوئی فرق نہیں بلکہ روایات کے لئے معتبر چیز باہمی ملاقات، براہ راست سماع کرنا اور ایک دوسرے سے روایت لینا دینا ہے۔ جب کسی راوی میں تدلیس کا اندیشہ نہ ہو اور اس کا سماع بھی ثابت ہو تو حدیث متصل شمار ہوگی۔ خواہ **عن** سے بیان ہو یا **اَنَّ** سے کیونکہ متصل روایات کو **عن رسول اللہ ﷺ انہ قال** اور **انّ رسول اللہ قال** دونوں طرح سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

البتہ امام احمد نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں اسلوب الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں ان کے نزدیک **عن ابن حنفیة عن عمار قال اتیت النبی وھو یصلی** یعنی **عن** سے بیان شدہ روایت متصل شمار ہوگی اور اگر یہی روایت یوں بیان کی جائے کہ **عنْ ابن حنفیه انّ عمار امربالبنی وھو یصلی** تو اسے مرسل شمار کیا جائے گا کیونکہ ان کے اسلوب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن حنفیہ نے حضرت عمار کا نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرنے کو بیان کیا ہے حالانکہ اس وقت ابن حنفیہ موجود نہ تھا لہذا اس انداز سے بیان کی ہوئی روایت کو مرسل کہا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی صحابی دوسرے صحابی سے بیان کرتے وقت یہ **انّ** کا اسلوب اختیار کرتا ہے تو روایت متصل شمار ہوگی جیسے **عن ابن عمر عن عمرانه قال یارسول اللہ**..... الیٰ آخرہ اور **عن ابن ان عمر قال یارسول اللہ ﷺ** کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا براہ راست نبی اکرم ﷺ سے بیان کرنا بھی ممکن ہے۔ لہذا ان دونوں صورتوں میں بیان کی گئی روایت کو متصل ہی شمار کیا جائے۔

سوال نمبر 18 تعلیقات امام بخاری پر ایک جامع نوٹ لکھیں نیز اس کا حکم اور اقسام بیان کریں؟

جواب لفظ تعلیق کا لغوی معنی اوپر سے باندھ کر نیچے لٹکانا ہے اور جس حدیث میں تعلیق پائی جائے اسے معلق کہتے ہیں۔

محدثین کی اصطلاح میں معلق روایت وہ ہے جس کی سند کے آغاز سے ایک یا اس سے زائد راوی

مسلسل حذف ہو جائیں۔ اسے معلق اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا اوپر والا حصہ متصل ہوتا ہے اور نچلی جانب سے انقطاع پایا جاتا ہے اس کی عام طور پر دو صورتیں ہیں :

❶ تمام سند محذوف ہوتی ہے حدیث کا آغاز قال رسول اللہ ﷺ سے کیا جاتا ہے۔

❷ حدیث کا آغاز قال ابو ہریرہ قال رسول اللہ یا صحابی کے نیچے تمام سند محذوف ہوتی ہے۔

اسی طرح تابعی سے نیچے تک کا حصہ حذف کر دیا جاتا ہے اس کا عام حکم تو ضعیف حدیث کا ہے کیونکہ اتصال سند موجود نہیں ہے لیکن امام بخاری نے اپنی کتاب میں صحیح احادیث لانے کا التزام کیا ہے لہذا تعلیق بخاری کے متعلق دو مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آئے ہیں۔

❶ **دار قطنی** اور ابن حزم نے اسے منقطع کہا ہے لیکن ابن حزم اس حد تک آگے نکل گئے ہیں کہ آلات موسیقی کی حرمت کے قائل نہیں کیونکہ اس سلسلہ میں جو صحیح بخاری کی حدیث گانے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے وہ معلق تھی لہذا انہوں نے اسے منقطع کہہ کر مسترد کر دیا ہے۔

❷ دیگر محدثین نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے کہ وہ تعلیقات بخاری کی دو اقسام بناتے ہیں :

ا جسے امام بخاری نے بڑے جزم اور وثوق سے بیان کیا ہے۔

**قال هشام نكر الشعبي نكر فلان وغيره**

اس کے متعلق محدثین کا فیصلہ یہ ہے کہ متصل روایات ہیں اور صحیح ہیں اس طرح کی تعلیق کو امام بخاری عام طور پر دو وجہ سے بیان کرتے ہیں۔

❶ روایت متصل ہوتی ہے اور ثقہ راویوں نے اسے بیان کیا ہوتا ہے لیکن یہ روایت امام بخاری کی شرائط کے مطابق نہیں ہوتی لہذا اسے تعلیق سے بیان کر دیتے ہیں۔

❷ امام بخاری اپنی صحیح میں کسی مقام پر اسے متصل بیان کرتے ہیں لہذا خوف طوالت کے پیش نظر اس کی سند حذف کر دیتے ہیں۔

ب جزم اور وثوق کی بجائے امام بخاری کسی تعلیق کو صیغہ تمریض سے بیان کرتے ہیں جیسے "**قيل، نُكِرَ، حُكِي**" اس طرح کی تعلیقات کو یقین کے ساتھ صحیح نہیں کہا جا سکتا بلکہ ان میں حسن اور ضعیف بھی ہوتی ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ اسلوب وہاں اختیار کرتے ہیں جہاں روایت کو بطور دلیل نہیں بلکہ بطور استشہاد اور تائید پیش کرنا ہو۔

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب **"تغلیق التعلیق"** میں اس طرح کی تمام روایات کو دوسرے طرق سے متصل بیان کیا ہے۔ ابن حزم نے جس حدیث پر اعتراض کیا ہے وہ حدیث طبرانی، ابن حبان نے اپنی اسناد سے متصل بیان کی ہے۔ لہذا ان کے اعتراضات کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ بعض علماء نے **قال لی فلان** اور **زادنا فلان** کو بھی تعلیق میں شامل کیا ہے حالانکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کے الفاظ تحریری اجازت نامے یا بر سبیل تذکرہ حدیث بیان کرتے وقت استعمال کرتے ہیں بعض محدثین نے سند کے درمیان یا آخر سے کوئی راوی حذف ہو تو اسے بھی تعلیق میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ محدثین کی اصطلاح میں ان کے مستقل نام مثلاً منقطع، مرسل اور معضل ہیں لہذا یہ روایات تعلیقات میں شامل نہیں ہوں گی۔ امام بخاری کی تعلیقات کو اسی تفصیل سے دیکھا جائے گا اور ان سب روایات کو اتصال پر محمول کیا جائے گا۔

**سوال نمبر 19** ایسی حدیث جسے بعض ثقات نے مرسل روایت کیا ہو اور بعض نے متصل تو اس کے بارے میں محدثین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ محدثین کا اختلاف اور راجح قول دلائل کے ساتھ ذکر کریں؟

**جواب** اس طرح کی روایت کے متعلق اختلاف کرنے سے پہلے بطور مثال ہم ایک روایت کا حوالہ دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔

**لَانِکَاحَ اِلَّابِوَلِی:** جسے امام ترمذی نے بیان کیا ہے اس روایت کو اسرائیل بن یونس یوں بیان کرتے ہیں: **عن ابی بردة عن ابی موسی عن رسول اللہ** ﷺ یعنی یہ روایت موصول بیان کرتے ہیں جبکہ اس روایت کو سفیان ثوری اور شعبہ مرسل بیان کرتے ہیں ان کے الفاظ یہ ہیں:

**عن ابی بردةعن رسول اللہ**

اس طرح کی روایت کے متعلق محدثین کے چار اقوال سامنے آئے ہیں۔

① اکثر اصحاب الحدیث اس طرح کی روایت کو مرسل کہتے ہیں کیونکہ ارسال سے بیان کرنا جرح کی ایک قسم ہے لہذا اسے مقدم سمجھا جائے۔

② بعض محدثین کا خیال ہے کہ اکثریت کو دیکھا جائے اگر مرسل بیان کرنے والے زیادہ ہوں

تو اسے مرسل کہا جائے بصورت دیگر یہ متصل شمار ہو گی۔

❸ بیان کرنے والوں میں جس کا حافظہ اور قوت یادداشت مضبوط ہو اس کی بیان کردہ روایت کو ترجیح دی جائے گی۔

❹ بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ فیصلہ اس راوی کے حق میں ہو گا جو متصل بیان کرتا ہے بشرطیکہ وہ عادل اور ضابط ہو اس کے مقابلے میں مخالفت کرنے والا ایک یا زائد ہوں تو ان کا خیال نہیں کیا جائے گا۔

علامہ خطیب بغدادیؒ نے آخری مؤقف کی تائید کی ہے اور لکھا ہے: **هذا القول هو الصحيح** کیونکہ مرسل بیان کرنے والا کسی خاص غرض سے یا بھول کر ایسا کرتا ہے اور متصل بیان کرنے والا ہمیں ایک زائد چیز سے آگاہ کرتا ہے اور ثقہ راوی کا اضافہ قبول ہے۔ اسی طرح اگر ایک ہی راوی بعض اوقات مرسل بیان کرتا ہے اور کبھی دوسرے وقت اسی طرح اس روایت کو موصول بیان کرتا ہے تو اس کے موصول بیان کرنے کو ترجیح دی جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی راوی ایک روایت کو موقوف بیان کرتا ہے اور دوسرے وقت ایسی ہی روایت مرفوع بیان کر دیتا ہے تو مرفوع کو ترجیح ہو گی۔

**سوال نمبر 20** مدلس کی تعریف کریں نیز اس کی اقسام، حکم اور اسباب تحریر کریں۔؟

**جواب** **لغتاً**: خریدنے والے سے کسی عیب کا چھپانا تدلیس کہلاتا ہے۔

**اصطلاحاً**: سند کے کسی عیب کو چھپا کر اس کے ظاہری پہلو کو خوشنما بنا کر پیش کرنے کا نام تدلیس ہے اس کی دو اقسام ہیں:

❶ **تدلیس الاسناد**: ایک راوی کسی محدث کے حوالہ سے کوئی روایت بیان کرتا ہے حالانکہ یہ روایت براہ راست اس سے نہیں سن سکا اس کے علاوہ دیگر روایات میں اس کا سماع ثابت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی جس روایت کو بیان کر رہا ہے یہ کسی اور شخص سے سنی تھی اس کو حذف کر کے دوسرے محدث کے حوالہ سے **قال یا عن** جیسے الفاظ سے بیان کرتا ہے۔ مثلاً علی بن خشرم کہتے ہیں **قال لنا ابن عيينة عن الزهری** ہم نے پوچھا کہ آپ نے زہری سے سنا ہے تو جواب نہیں میں دیا پھر کہا مجھے عبدالرزاق نے اس نے معمر سے اور وہ زہری سے بیان کرتا ہے۔

**حکم** تدلیس کی یہ قسم انتہائی مکروہ ہے بعض محدثین نے **التدلیس اخوا الکذب** کہہ کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

❷ **تدلیس الشیوخ**: ایک راوی کسی محدث سے حدیث بیان کرتا ہے لیکن اس کا معروف نام لینے کی بجائے اس کا غیر معروف نام، لقب یا کنیت ذکر کرتا ہے تاکہ اس پر پردہ پڑا رہے حالانکہ بیان کردہ حدیث اس سے براہ راست سن چکا ہوتا ہے لیکن اس میں موجود کمزوری کو چھپانے کیلئے یہ طریقہ اختیار کرتا ہے۔

**حکم** یہ تدلیس کراہت کے لحاظ سے کچھ کم درجہ رکھتی ہے کیونکہ اس میں کسی راوی کو حذف نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اس پر پردہ ڈالا جاتا ہے تاکہ اس کی جان پہچان نہ ہو سکے محدثین کے ہاں مدلس روایت کے قبول اور رد کے متعلق تین اقوال ہیں:

❶ مدلس روایت کو مطلق طور پر رد کر دیا جائے اگرچہ وہ کسی موقع پر اپنے سماع کی وضاحت بھی کر دیتا ہے۔

❷ ایسی روایت کو مطلق طور پر قبول کیا جائے گا۔

یہ دونوں قول بے بنیاد اور ضعیف ہیں۔

❸ اس آخری قول میں کچھ تفصیل ہے اگر مدلس راوی کسی مقام پر اپنے سماع کی وضاحت کر دیتا ہے تو ایسی روایت کو قبول کریں اگر وہ کسی مقام پر اس قسم کی وضاحت نہیں کرتا بلکہ **عن** وغیرہ سے روایت بیان کرتا ہے تو اسے قبول نہ کیا جائے۔

## اغراض

تدلیس کی بے شمار اغراض ہیں ان میں مشہور یہ ہیں۔

❶ راوی کا استاد ضعیف اور غیر ثقہ ہوتا ہے۔

❷ راوی کا شیخ عمر کے لحاظ سے اس سے چھوٹا ہوتا ہے۔

❸ کثرت روایات کا شوق اس کو تدلیس پر آمادہ کرتا ہے۔

❹ علو اسناد کی خاطر تدلیس کی جاتی ہے۔

۵ اپنے استاذ سے بعض اشیاء نہیں سن سکا ان چیزوں کی نسبت استاذ کی طرف کر کے کہے۔

۶ محدث دیر تک زندہ رہتا ہے کہ بیان کرنے والے کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی اس استاذ سے سماع کیا ہے لیکن اسے یہ شراکت گوارہ نہیں لہذا وہ تدلیس کا سہارا لیتا ہے۔

**سوال نمبر 20** ابن الصلاح نے شاذ کی تعریف میں جو اقوال ذکر کئے ہیں انہیں بہترین اسلوب سے بیان کرتے ہوئے صحیح قول کی وضاحت کریں۔

**جواب** ابن الصلاح نے شاذ کے متعلق تین اقوال ذکر کئے ہیں:

۱ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ شاذ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک ثقہ راوی کوئی ایسی حدیث بیان کرے جو دوسروں کے خلاف ہو شاذ اسے نہیں کہیں گے کہ ایک راوی کوئی حدیث بیان کرنے میں منفرد ہو۔

۲ **ابو یعلی الخلیلی** کے نزدیک شاذ وہ روایت ہے جس کی صرف ایک ہی سند ہو اور اسے بیان کرنے والا صرف ایک ہو وہ راوی اگر غیر ثقہ ہے تو یہ روایت بھی ناقابل قبول ہو گی اور اگر بیان کرنے والا ثقہ ہے اور اس کے متعلق توقف کریں گے اور ایسی روایت حجت نہیں گویا خلیلی کے نزدیک شاذ کی دو اقسام ہیں:

ا شاذ صحیح (اگر راوی ثقہ ہوں)

ب شاذ غیر صحیح (جس کے راوی غیر ثقہ ہوں)

۳ امام حاکم کے نزدیک مطلق طور پر منفرد راوی کی روایت کو شاذ کہتے ہیں بشرطیکہ کسی دوسری روایت سے اس کی تائید نہ ہو۔

**راجح مسلک**

امام شافعی کی تعریف کے مطابق شاذ روایت بلاشبہ ناقابل قبول ہے البتہ خلیلی اور حاکم کی تعریف کے مطابق اگر بیان کرنے والا ثقہ ہے تو اس کے قبول کرنے میں تردد یا اسے مسترد کیوں کیا جائے جیسا کہ حدیث **انما الاعمال بالنیات** کو بیان کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ منفرد ہیں اور یہ تفرد تمام سند میں موجود ہے اسی طرح بے شمار روایات بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔ امام مسلم مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ امام زہری کی تقریباً نوے احادیث ایسی ہیں جن میں وہ بیان کرنے میں منفرد ہیں لہذا مطلقاً ایسی روایت کو ناقابل قبول

نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

محدث ابن الصلاح نے اس سلسلہ میں یہ ضابطہ وضع کیا ہے کہ اگر بیان کرنے والا راوی اپنے سے ثقہ یا ثقات کی مخالفت کرے تو یہ شاذ مردود ہے اگر منفرد راوی بیان کرنے میں کسی کی مخالفت نہیں کرتا تو اس کی ذات کو دیکھیں گے اس کے ثقہ اور ضابط ہونے کی صورت میں اسکی منفرد روایت قبول ہے۔اگر ثقاہت اور عدالت میں کچھ کمی ہے تو اس کی روایت کو حسن کے درجہ میں رکھا جائے گا اگر بالکل کمزور اور ضعیف ہے تو اس کی منفرد روایت شاذ مردود ہے۔

**سوال نمبر 22** محدث ابن الصلاح کہتے ہیں کہ "منکر کی دو قسمیں ہیں جیسا کہ ہم نے شاذ کی بحث میں ذکر کیا ہے" ابن الصلاح کی اس بات پر تبصرہ کریں پھر اپنی علمی رائے بیان کرتے ہوئے شاذ اور منکر کے درمیان فرق واضح کریں؟

**جواب** محدث ابن الصلاح کے نزدیک شاذ اور منکر میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ ان کی عبارت سے ظاہر ہے لیکن ہمیں اس سے اتفاق نہیں بلاشبہ دوسرے راویوں سے مخالفت کرنے میں شاذ اور منکر میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ مخالفت کرنے والا اگر ثقہ ہے تو روایت شاذ ہے اگر ضعیف ہے تو منکر ہوگا۔ابن حجر لکھتے ہیں:

**قد غفل من سوّی بینهما(شرح نخبة الفكر)**

یعنی جو ان کے درمیان فرق نہیں کرتا اس نے غور و فکر سے کام نہیں لیا ان دونوں کے درمیان واضح فرق ہے کیونکہ شاذ کی تعریف یہ ہے:

**مارواه الثقة مخالفاً لمن هو ارجح منه**

یعنی ایسی روایت جس میں ایک ثقہ راوی اپنے سے اوثق راوی کی مخالفت کرے۔اور اس کے بالمقابل محفوظ ہے۔

جبکہ منکر کی تعریف یہ ہے کہ **ماروا ضعيف مخالفاً للثقات** ایسی روایت جو ایک ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرتے ہوئے بیان کرے اس کے بالمقابل روایت کو معروف کہتے ہیں جبکہ ابن الصلاح کے نزدیک مذکورہ تفصیل کے برعکس شاذ کی طرح اس کی بھی دو اقسام ہیں:

1 **هو المنفرد المخالف لماروا‌ه الثقات** :وہ منفرد راوی ہے جو ثقہ کی مخالفت کرتے ہوئے روایت بیان کرے اسے منکر کہیں گے پھر ابن الصلاح نے جو اپنی بیان کردہ منکر کی مثال دی ہے وہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ **لا يرث المسلم الكافر** یہ حدیث بیان کرنے میں اگرچہ امام مالک منفرد ہیں لیکن یہ حدیث صحیح ہے۔

2 منکر کی دوسری قسم یہ ہے کہ روایت بیان کرنے میں منفرد راوی اس قدر ثقہ نہ ہو کہ اس کے تفرد کی کمی کو پورا کیا جاسکے۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں اقسام منکر کی تعریف میں نہیں آتیں لہذا ہمیں ابن الصلاح کی رائے سے اتفاق نہیں ہے۔

**سوال نمبر 23** اعتبار، متابعت اور شاہد کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

**جواب** لغوی طور پر اعتبار کا معنی معاملات میں غور وفکر کرنا ہے اور اصطلاح محدثین میں اعتبار کسی راوی کی بیان کردہ روایت کے طرق تلاش کرنا ہے تاکہ معلوم کیا جاسکے کہ اس روایت کو بیان کرنے میں کوئی اور بھی شریک ہے یا نہیں۔

**متابعت کی لغوی تعریف** : یہ لفظ لغوی طور پر موافقت کا معنی دیتا ہے۔

**متابعت کی اصطلاحی تعریف** : اصطلاح میں ایک راوی کا روایت بیان کرنے میں کسی دوسرے راوی کے ساتھ شریک ہونا متابعت کہلاتا ہے اس کی دو اقسام ہیں :

1 **متابعت تامّہ** : ایک ہی صحابی کی بیان کردہ حدیث میں شروع سند سے آخر تک شریک ہونے کا نام متابعت تامّہ کہلاتا ہے۔

2 **متابعت قاصرہ** : ایک ہی صحابی کی بیان کردہ حدیث میں درمیان سند سے شرکت کرنے کو متابعت قاصرہ کہتے ہیں۔

## الشاهد

کسی دوسرے صحابی کی بیان کردہ حدیث میں لفظی اور معنوی یا صرف معنوی طور پر شرکت کرنے کو شاہد کہا جاتا ہے۔ اگر مذکورہ اقسام میں کسی قسم کی شرکت نہ ہو تو اسے تفرد مطلق کہتے ہیں اب ہم ان امور کی ایک مثال سے وضاحت کرتے ہیں امام شافعیؒ نے "کتاب الام" میں ایک حدیث بیان کی ہے :

**عن مالك عن عبدالله بن دينار عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال الشهر تسع وعشرون فلا تصوموا حتى تروالهلال ولا تفطروا حتى تروه فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلاثين**

بعض محدثین نے اسے تفرد مطلق قرار دیا ہے لیکن جب ہم نے اس روایت کے طرق تلاش کئے یعنی اعتبار سے کام لیا تو اسکے متابع اور شواہد دستیاب ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے

❶ **متابعت تامہ** :امام بخاری نے اسی سند کے ساتھ اس حدیث کو بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں **فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلاثين**

❷ **متابعت قاصرہ** :ابن خزیمہ نے درمیان سند میں شرکت کر کے اسی صحابی سے یہ روایت بیان کی ہے۔

❸ **شاہد** : امام نسائی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو بیان کیا ہے اس اعتبار (جانچ پڑتال) سے معلوم ہوا کہ روایت مذکورہ میں تفرد نہیں ہے بلکہ اس کے متابع اور شواہد بھی موجود ہیں۔

**نوٹ** :بعض دفعہ متابعت اور استشہاد میں پیش کی جانے والی حدیث کو بطور دلیل نہیں پیش کیا جاسکتا کیونکہ فنی لحاظ سے اس میں کچھ سُقم ہوتا ہے بخاری اور مسلم میں بعض ایسی روایات موجود ہیں جو ضعیف راویوں سے مروی ہیں لیکن وہ بطور استدلال نہیں بلکہ بطور استشہاد پیش کی گئی ہیں۔

**سوال نمبر 24** زیادات الثقات سے کیا مراد ہے اور اس کا حکم کیا ہے ؟

**جواب** محدثین کرام کے ہاں اس سے مراد ثقہ راویوں کے وہ زائد الفاظ ہیں جو بعض روایات میں بیان ہوئے ہیں اور جن سے فقہی احکام اخذ کئے جاتے ہیں اس سے مراد صحابہ کرام سے مروی اضافے نہیں کیونکہ ان کے اضافوں کو قبول کرنے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

زیادات کی دو اقسام ہیں :

❶ **زيادة فى المتن**: متن حدیث میں کسی لفظ یا جملہ کا اضافہ کرنا۔

❷ **زيادة فى السند** :سند میں اس طرح اضافہ کرنا کہ موقوف روایت کو مرفوع کر دینا اور مرسل روایت کو موصول بیان کرنا۔

**حکم** متن میں اضافہ کو قبول کرنے یا رد کرنے کے متعلق محدثین کے ہاں تین اقوال ہیں :

❶ مطلق طور پر قبول ہوگا۔

❷ مطلق طور پر مردود ہوگا۔

❸ اگر ایک ہی راوی کبھی اضافے کے ساتھ روایت بیان کرتا ہے اور کبھی اضافے کے بغیر بیان کرتا ہے اس طرح کا اضافہ مسترد ہوگا اور اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا راوی اضافہ بیان کرتا ہے تو اسے قبول کیا جائے گا۔

ابن الصلاح نے اضافوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں :

❶ ایسا اضافہ جو دوسرے ثقہ راویوں کی بیان کردہ روایت کے منافی ہو اس قسم کا اضافہ شاذ کہلاتا ہے جو قابل قبول نہیں ہے۔

❷ ایسا اضافہ جو دوسرے ثقہ راویوں کی بیان کردہ روایت کے خلاف نہیں اس قسم کا اضافہ ایک زائد حکم رکھتا ہے جو قبول کیا جائے گا۔

❸ ایسا اضافہ جو مذکورہ دونوں اقسام کے بین بین ہے یعنی ایک لحاظ سے تو مخالفت پائی جاتی ہے لیکن اگر دوسرے انداز سے دیکھا جائے تو کوئی مخالفت نہیں مثلاً ایک روایت مطلق بیان ہوئی ہے تو کسی اضافے سے اس کو مقید کر دیا جائے یا ایک روایت عام ہے تو اضافے سے اس کے عموم کو خاص کر دیا جائے۔ اس قسم کے اضافے کو امام شافعی اور مالک تو قبول کرتے ہیں جب کہ امام ابو حنیفہ قبول نہیں کرتے۔

سند میں پائے جانے والے اضافے کے متعلق محدثین کے ہاں چار اقوال ہیں۔

❶ جو موصول یا مرفوع بیان کرتا ہے اس کی روایت قبول ہوگی یعنی اضافہ قبول ہوگا

❷ مرسل یا موقوف بیان کرنے والے کی روایت قبول ہوگی یعنی اضافہ قبول نہیں ہوگا۔

❸ اکثریت کے پیش نظر فیصلہ ہوگا اگر موقوف یا مرسل بیان کرنے والے زیادہ ہیں تو ترجیح انہی کو دی جائے گی۔

❹ زیادہ حافظہ اور ضبط رکھنے والے کے بیان کے مطابق فیصلہ ہوگا جیسا کہ **لانکاح الابولی** اس روایت کو سفیان ثوری اور شعبہ نے مرسل بیان کیا ہے جبکہ اسرائیل نے اسے موصول بیان کیا ہے تو

فیصلہ موصول بیان کرنے والے کے حق میں ہوگا۔ واللہ اعلم

سوال نمبر 25 ابن الصلاح کی درج ذیل عبارت کی وضاحت مطلوب ہے :

**الافراد منقسمة الى ماهو فرد مطلقاً والى ماهو فرد بالنسبة الى جهة خاصة**

**جواب** حدیث بیان کرتے وقت دوران سند اگر کہیں ایک ہی راوی رہ جائے تو اسے فرد یا متفرد کہتے ہیں اس کی دو اقسام ہیں :

❶ **فرد مطلق** : یعنی راویان حدیث میں سے کوئی راوی حدیث بیان کرنے میں منفرد ہو جیسا کہ **انما الاعمال بالنیات** میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے بیان کرنے میں اکیلے ہیں

❷ **فرد نسبی** : جس روایت میں مطلق طور پر تفرد نہ ہو بلکہ کسی خاص جہت کی نسبت سے تفرد پایا جائے۔ اس کی چند ایک انواع ہیں :

ا ایک خاص راوی کسی خاص راوی سے بیان کرنے میں منفرد ہو۔ مثلاً یوں کہا جائے : کہ **فلان عن فلان**

ب راوی کسی خاص شہر والے راوی سے بیان کرنے میں منفرد ہو مثلاً **اهل مكة عن فلان** کسی خاص شہر والے دوسرے شہر والوں سے بیان کرنے میں منفرد ہوں مثلاً **اهل الشام عن اهل الحجاز** بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تفرد کی نسبت تمام شہر والوں کی طرف ہوتی ہے لیکن بیان کرنے والا صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ یہ نسبت مجازی طور پر ہوتی ہے جیسے حدیث میں ہے **نهیٰ عن قیل وقال** اس کے متعلق ہے کہ **تفرد به البصريون عن الكوفيين** حالانکہ اس کو اہل بصرہ سے بیان کرنے والا صرف **خالد الحذاء** ہے اور وہ ایک ہے مجازاً اس کے تفرد کی نسبت تمام اہل بصرہ کی طرف کر دی گئی ہے۔

سوال نمبر 26 معلل کی تعریف کریں اور علتِ حدیث کو پہچاننے کا طریقہ لکھیں ؟

**جواب** لغوی طور پر **اَعلّ** کا اسم مفعول ہے اور اسے معلل کہنا غیر معروف لغت ہے بلکہ اس لفظ کو **مُعَلٌّ** پڑھنا زیادہ صحیح ہے بعض محدثین اسے معلول بھی کہتے ہیں۔ جو اہل زبان کے نزدیک انتہائی کمزور ہے کیونکہ رباعی فعل کا اسم مفعول اس وزن پر نہیں آتا۔ اصطلاحِ محدثین میں معلل وہ حدیث ہوتی ہے جس میں کوئی ایسی پوشیدہ علت پائی جائے جو حدیث کی صحت پر اثر انداز ہو اور اس حدیث کا ظاہری پہلو بالکل صحیح سالم ہو

معلل حدیث میں دو بنیادی چیزوں کا ہونا ضروری ہے :1- پوشیدگی 2- صحت حدیث پر اثر انداز ہونا۔

اگر یہ دونوں بیک وقت نہ پائے جائیں تو حدیث معلل نہ ہوگی بعض محدثین نے اس اصطلاحی معنی کے علاوہ بھی علت کا استعمال کیا ہے اگرچہ وہ علت پوشیدہ اور اثر انداز نہیں ہوتی مثلاً راوی کا جھوٹا ہونا یا اس کا غفلت شعار ہونا یا اس کے حافظے میں کسی خرابی کا ہونا یہاں تک کہ امام ترمذیؒ نے نسخ پر علت کا لفظ استعمال کیا ہے بعض دفعہ ثقہ راویوں کی موصولاً بیان کی ہوئی روایت کو اگر مرسل بیان کر دیا جائے تو اس پر بھی علت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ علت کا کیسے پتہ چلتا ہے ؟ علت کو پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث کے تمام طرق کو جمع کیا جائے اور ان کے لفظی اختلاف پر نظر رکھی جائے اور راویوں کے ضبط و حفظ کا باہمی موازنہ کرتے ہوئے دیکھا جائے کہ کونسا راوی کس لفظ کے بیان کرنے میں منفرد ہے اور اس کی ذاتی حیثیت کیسی ہے ؟ کہیں اس راوی نے موصول حدیث کو مرسل یا مرفوع کو موقوف تو نہیں کر دیا یا کسی ایک حدیث کے لفظ کو دوسری حدیث میں داخل تو نہیں کر دیا۔ ؟

## اس کی اقسام

① بعض دفعہ علت سند میں پائی جاتی ہے اور یہ عام ہے اس طرح کی علت کبھی تو متن اور سند دونوں پر اثر انداز ہوتی ہے اور کبھی یہ علت سند پر تو اثر انداز ہوتی ہے لیکن متن کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

② بعض دفعہ علت متن میں پائی جاتی ہے اور ایسا بہت کم ہوتا ہے مثلاً نماز میں قرأت کے وقت بسم اللہ نہ پڑھنے کی حدیث ہے۔

**سوال نمبر 26** مضطرب حدیث کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کریں اور اضطراب کی شروط لکھیں ؟

**جواب** لغوی طور پر یہ اِضْطَرَبَ کا اسم فاعل ہے جس کا معنی کسی نظام کا خراب ہونا ہے محدثین کی اصطلاح میں وہ حدیث مضطرب ہوتی ہے جو ایسے مختلف طرق سے مروی ہو جو قوت کے لحاظ سے برابر ہوں اور ان کے درمیان تطبیق کی کوئی صورت نہ ہو اور نہ ہی کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی گنجائش ہو۔

اضطراب کیلئے دو شرائط کا ہونا ضروری ہے :

① اختلاف روایات اس انداز سے ہو کہ ان کے درمیان تطبیق نہ دی جا سکے۔

② قوت کے لحاظ سے وہ روایات ایسی ہم پلہ ہوں کہ ایک روایت کو دوسری پر ترجیح نہ دی جا سکے

اگر ترجیح یا تطبیق کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو اضطراب ختم ہو جاتا ہے ترجیح کی صورت میں راجح حدیث پر عمل ہو گا اور تطبیق کی صورت میں تمام روایات قابل عمل ہوں گی۔

**اس کی اقسام**

❶ یہ اضطراب کبھی تو سند میں ہوتا ہے اکثر یہی ہوتا ہے مثلاً **شیّبتنی هودا خوا** تھا اس حدیث کو ابو اسحاق سے مختلف طرق سے بیان کیا گیا ہے سند کا یہ ایسا اختلاف ہے کہ ان کے درمیان ترجیح کی کوئی صورت نہیں۔

❷ کبھی یہ اضطراب متن میں ہوتا ہے مثلاً حدیث میں ہے **ان فی المال حقاً سوی الذکوٰۃ** اور ابن ماجہ کی ایک روایت ہے **لیس فی المال حق سوی الزکوٰۃ** یہ ایک ایسا اضطراب ہے جسے کسی صورت میں حل نہیں کیا جا سکتا۔

**نوٹ** :بعض دفعہ ایک راوی میں اضطراب ہوتا ہے کہ وہ مختلف انداز سے ایک روایت کو بیان کرتا ہے اور کبھی کبھی ایک جماعت حدیث میں اضطراب کا باعث بنتی ہے۔ مضطرب روایت کے ضعیف ہونے کا سبب یہ ہے کہ راوی پوری طرح اس روایت کو یاد نہیں رکھ سکا اس کی قوت یاداشت میں خلل آنے کی بناء پر اسے ضعیف کہا جاتا ہے۔

**سوال نمبر 28** ادراج کی تعریف کریں، اس کے اسباب اور حکم پر روشنی ڈالیں نیز بتائیں کہ ادراج کیسے معلوم ہوتا ہے۔؟

**جواب** لغوی طور پر اس کا معنی کسی چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا ہے اصطلاح میں سند کا سیاق بدل جانا یا متن حدیث میں بلا تعین، اضافی الفاظ داخل ہو جانا ادراج کہلاتا ہے۔ اور جس حدیث میں ادراج پایا جائے اسے مدرج کہتے ہیں۔

**ادراج کے اسباب** احادیث میں ادراج کے کئی اسباب ہیں ان میں مشہور تین ہیں :

ا حدیث میں وارد کسی مشکل لفظ کی توضیح

ب کسی شرعی حکم کا بیان

ج حدیث مکمل ہونے سے پہلے کسی شرعی مسئلہ کا استنباط

**ادراج کا حکم** تمام محدثین اور فقہاء کا اجماع ہے کہ احادیث رسول ﷺ میں ادراج حرام ہے۔ تاہم تفسیری کلمات کو دوران حدیث بیان کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ امام زہری توضیحی کلمات کو احادیث کے درمیان بیان کر دیا کرتے تھے۔

**ادراج معلوم کرنے کا طریقہ** : محدثین کے ہاں متن حدیث میں اضافہ شدہ حصہ معلوم کرنے کے کئی ایک طریقے ہیں مثلاً :

① کسی دوسری روایت میں زائد الفاظ متعین طور پر الگ ذکر ہوں۔

② کوئی تجربہ کار محدث ان کی نشان دہی کر دے۔

③ کوئی راوی از خود اقرار کر لے کہ فلاں الفاظ متن حدیث کے نہیں ہیں۔

**سوال نمبر 29** مدرج کی اقسام پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔؟

**جواب** مدرج کی دو اقسام ہیں : **مدرج الاسناد** اور **مدرج المتن**

① **مدرج الاسناد** : وہ روایت جس کی سند کا سیاق بدل جائے۔ اس کی مندرجہ ذیل چار صورتیں ہیں :

1 ایک حدیث کو مختلف راوی اپنی اپنی سند سے بیان کرتے ہوں مگر کوئی راوی اسے ایک ہی سند سے بیان کر دے۔ اور ان مختلف اسانید کا فرق نمایاں نہ کرے مثلاً امام ترمذی نے ایک حدیث کو بروایت **محمدبن کثیر العبدی عن سفیان الثوری عن واصل و منصوروالاعمش عن ابی وائل عن عمرو بن شرجیل عن عبداللہ** رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے جبکہ واصل کی سند میں عمرو بن شرجیل کا واسطہ نہیں ہے بلکہ اس نے بواسطہ ابی وائل عن عبداللہ رضی اللہ عنہ اس روایت کو بیان کیا ہے۔

2 کسی شیخ کے پاس ایک حدیث کے متن کا کچھ حصہ ہو۔ جبکہ باقی ماندہ متن کسی اور واسطہ سے مروی ہو مگر شاگرد پہلی سند سے ہی پوری حدیث بیان کر دے۔ مثلاً ایک حدیث میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے نماز نبوی کا طریقہ بیان ہوا ہے۔ جس کے آخر میں ہے کہ جب سخت سردی کے دنوں میں دوبارہ آئے تو صحابہ نے سردی کے کپڑے اوڑھ رکھے تھے اور وہ کپڑوں کے نیچے سے رفع الیدین کرتے تھے۔ اس

حدیث کو سفیان بن عیینہ اور زائدہ بن قدامہ نے بواسطہ **عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر** بیان کیا ہے جبکہ دوبارہ آنے کا ذکر بواسطہ **عاصم عن عبدالجبار بن وائل عن بعض اهله عن وائل بن حجر** رضی اللہ عنہ مروی ہے۔

3۔ راوی کے پاس حدیث کے دو متن ہوں اور ہر متن کی سند بھی الگ الگ ہو مگر روایت کرتے وقت کسی ایک متن کو اس کی سند سے بیان کر دے۔ اور دوسری سند سے مروی الفاظ کو اس میں شامل کر دے مثلاً ایک حدیث بواسطہ **سعيد بن ابی مريم عن مالك عن الزهری عن انس** بایں الفاظ مروی ہے: **لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدبروا ولا تنافسوا** اس حدیث میں "**ولا تنافسوا**" کے الفاظ مذکورہ سند کے ساتھ بیان نہیں ہوئے بلکہ وہ بواسطہ **ابن ابی مريم عن مالك عن ابی الزناد عن ابی هريرة** رضی اللہ عنہ مروی ہیں۔

4۔ ایک راوی کسی حدیث کی سند بیان کرتا ہے اس دوران اسے کوئی حادثہ پیش آیا تو اس نے اپنی طرف سے چند الفاظ بیان کر دیئے۔ سامعین میں سے کوئی اس کے ذاتی الفاظ کو حدیث بنا کر بیان کرنا شروع کر دے۔ مثلاً محدث شریک بن عبداللہ قاضی کسی مجلس میں حدیث لکھوا رہے تھے ایک سند بیان کرنے کے بعد ایک مشہور بزرگ حضرت ثابت بن موسیٰ سامنے آگئے تو قاضی شریکؒ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: **من كثرت صلوته بالليل حسن وجهه بالنهار** حضرت ثابت نے خیال کیا کہ یہ الفاظ حدیث کا متن ہیں انہوں نے محدث کی بیان کی ہوئی سند کے ساتھ ان الفاظ کو ملا کر روایت کرنا شروع کر دیا۔

۲ **مدرج المتن**: متن میں کسی ایسی چیز کا داخل ہو جانا جو اس کا جزو نہ ہو۔ اسکی تین اقسام ہیں

1۔ حدیث کے آغاز میں ادراج آجائے اور یہ بہت کم ہوتا ہے مثلاً "**اسبغوا الوضوء ويل للاعقاب من النار**" اس حدیث میں "**اسبغو الوضو**" ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں جو حدیث کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔

2۔ دوران حدیث کوئی لفظ متن کا حصہ بن جائے ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے مثلاً حدیث میں ہے: "**كان النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **يتحنث فی غار حراء وهو التعبد الليالی ذوات العدد**"

اس روایت میں **وهو التعبد** کے الفاظ مدرج ہیں جو امام زہری نے "**يتحنث**" کی وضاحت کے

طور پر ذکر کئے ہیں۔

3 حدیث کے آخر میں کوئی لفظ مدرج ہو جائے اور یہ بہت ہوتا ہے مثلاً تشہد کی حدیث کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں: " **فاذا قلت هذا فقد قضيت صلاتك** " یہ الفاظ متن کا حصہ نہیں ہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی حدیث کے اپنے الفاظ ہیں جو متن کے ساتھ مل گئے ہیں۔

**سوال نمبر 30** موضوع حدیث کسے کہتے ہیں اس کا مقام و حکم بیان کریں نیز وضاعین کے طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے بتائیں کہ موضوع حدیث کی شناخت کیسے ہو سکتی ہے؟

**جواب** لغوی طور پر یہ لفظ رتبہ اور مقام کے لحاظ سے انتہائی نیچے اور گری ہوئی چیز پر بولا جاتا ہے محدثین کی اصطلاح میں وہ جھوٹی، خود ساختہ اور مصنوعی بات جسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو حدیث موضوع کہلاتی ہے۔

**مقام و مرتبہ** ضعیف احادیث میں مذکورہ قسم نہایت قبیح اور بری شمار ہوتی ہے کیونکہ اس میں کوئی راوی ایسا ہوتا ہے جو رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولتا ہے اور من گھڑت باتیں ان کی طرف منسوب کرتا ہے۔ بعض علماء اسے ضعیف احادیث کی قسم شمار کرنے کی بجائے اسے مستقل ایک الگ قسم قرار دیتے ہیں۔

**اسے بیان کرنے کا حکم** علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موضوع راویت کو حقیقت حال کی وضاحت کے لئے تو بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے بیان کرنا جائز نہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ سے کوئی حدیث نقل کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹ ہے تو یہ بیان کرنے والا بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

**وضاعین کا طریقہ کار** ان کا طریقہ واردات بالعموم دو طرح سے ہوتا ہے:

❶ بعض اوقات کوئی شخص بہترین کلام اپنی طرف سے بنا کر کسی خود ساختہ سند کے ذریعہ اسے بیان کر دیتا ہے۔

❷ بعض اوقات حکماء میں سے کسی کی عمدہ بات لے کر کسی بناوٹی سند کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے نام سے بیان کر دیتا ہے۔

بعض اوقات کسی غلطی کی بناء پر شبہ پڑ جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کر دی جاتی جو آپ نے نہیں کہی ہوتی جیسا کہ مدرج حدیث کے بیان میں حضرت ثابت بن موسیٰ سے ایسا ہوا تھا۔

**طریقہ شناخت** : مندرجہ ذیل چار طریقوں سے موضوع حدیث کی شناخت ممکن ہے :

❶ حدیث وضع کرنے والا خود اقرار کرے کہ میں نے فلاں فلاں احادیث وضع کر کے پھیلا دی ہیں۔ جیسا کہ ابن ابی مریم نے اقرار کیا تھا کہ میں نے ایک ایک سورت کی فضیلت میں احادیث وضع کی ہیں

❷ اتفاقاً کسی کے منہ سے ایسی بات نکل جائے جو اسکے اقرار و اعتراف کے قائم مقام ہو

❸ راوی میں ذاتی طور پر کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جو اس کی بیان کردہ روایت کے خود ساختہ ہونے پر واضح دلیل ہو۔

❹ خود روایت کے الفاظ اس کے موضوع ہونے پر دلیل ہوں مثلاً وہ انتہائی رکیک اور بودے پن پر مشتمل ہوں یا اس کا مفہوم عام محسوسات اور قرآن کریم کے صریح خلاف ہو۔

**سوال نمبر 31** حدیث مقلوب کی تعریف اور اقسام بیان کریں نیز اس کے اسباب اور حکم پر روشنی ڈالیں۔

**جواب** مقلوب کا لغوی معنی کسی چیز کو اس کی پہلی حالت سے بدل دینا ہے، محدثین کی اصطلاح میں کسی حدیث کی سند یا متن کے ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دینا یا ان میں تقدیم و تاخیر کرنا مقلوب کہلاتا ہے۔

**اقسام** : حدیث مقلوب کی دو اقسام ہیں : ۱ — **مقلوب السند** ۲ — **مقلوب المتن**

**مقلوب السند**: اس سے مراد وہ حدیث ہے جس کی سند میں کوئی تبدیلی ہو جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں :

ا حدیث بیان کرنے والا کسی راوی کے نام و نسب میں تبدیلی کر دے مثلاً ایک راوی کا نام کعب بن مرہ ہے اسے مرہ بن کعب بنا دے۔

ب روایت میں غرابت یا انفرادیت پیدا کرنے کے لئے ایک راوی کے نام کو کسی دوسرے راوی کے نام سے بدل دے۔ مثلاً ایک حدیث حضرت سالم کی روایت سے مشہور ہے مگر بیان کرنے والا اسے حضرت نافع سے بیان کرے۔

**مقلوب المتن**: ایسی روایت جس کے متن کے الفاظ میں کوئی تبدیلی کر دی گئی ہو اس کی

بھی دو صورتیں ہیں :

ا راوی متن حدیث کے الفاظ کو آگے پیچھے کر کے بیان کر دے مثلاً : **حتّٰی لا تعلم شماله ماانفق یمینه** کو **حتّٰی لاتعلم یمینه ماانفق شماله** کر دے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں یمین و شمال کے الفاظ میں قلب واقع ہوا ہے۔

ب راوی ایک حدیث کے متن کو کسی دوسری حدیث کی سند کے ساتھ اور اس کی سند کو کسی دوسری حدیث کے متن کے ساتھ لگا دے۔ جیسا کہ اہل بغداد نے امام بخاری کا امتحان لینے کے لئے ایک سو احادیث کے اسانید و متون ایک دوسرے میں ملا کر امام صاحب کے سامنے پیش کئے تھے۔

**اسباب** : عام طور پر اس کے درج ذیل تین اسباب ہیں :

۱ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کیلئے روایت میں غرابت و انفرادیت پیدا کرنا۔

۲ کسی محدث کا امتحان اور اس کے حفظ و اتقان کا جائزہ لینا۔

۳ غلطی اور نسیان کی وجہ سے سہواً کسی راوی کا اس میں مبتلا ہو جانا۔

**اس کا حکم** روایت میں انفرادیت پیدا کرنے کی غرض سے ایسا کرنا حرام اور ناجائز ہے تاہم کسی کا امتحان لینے کے لئے ایسا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مجلس کے برخاست ہونے سے پہلے پہلے اس کی وضاحت کرنا ضروری ہے اگر یہ قلب خطأ و نسیان کا نتیجہ ہے تو اس کا مرتکب معذور سمجھا جائے گا۔ اگر ایسا فعل بار بار سرزد ہوتا ہے تو یہ غیر ضابط ہونے کی علامت ہے ایسے شخص کی بیان کردہ مقلوب روایت ضعیف و مردود ہو گی۔

**سوال نمبر 32** کسی راوی کے قابل قبول ہونے کی کیا شرائط ہیں ؟ تفصیل سے بیان کریں نیز اس کے متعلق علامہ ابن عبدالبر کی رائے ذکر کر کے اس پر تبصرہ کریں۔

**جواب** ائمہ حدیث اور فقہاء عظام کا فیصلہ ہے کہ راوی حدیث کی قبولیت کے لئے بنیادی طور پر دو شرطیں لازمی ہیں :

ا **العدالة** : اس سے مراد یہ ہے کہ راوی مسلمان، عاقل اور بالغ ہو، اسباب فسق سے محفوظ اسلامی آداب کا پابند، اخلاق و مروت کا خوگر اور مذکورہ جملہ امور کی خلاف ورزی سے اجتناب کرے۔ کسی

راوی کے متعلق مندرجہ ذیل امور میں سے کسی ایک ذریعے اس کے عادل ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے :

(ا) علماء جرح و تعدیل کی ایک جماعت یا کم از کم کوئی ایک اس کے عادل ہونے کی شہادت دے اور اس کی تصریح کرے۔

(ب) اہل علم میں اس کی اچھی شہرت ہو۔ چنانچہ جو شخص اہل بصیرت میں اچھی شہرت کا حامل ہو اور ان کے حلقہ میں اس کی تعریف کی جاتی ہو تو اس کی عدالت کے لئے کسی مزید شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ مثلاً امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل حضرت سفیان ثوری، حضرت سفیان بن عیینہ اور حضرت امام اوزاعی رحمهم الله اجمعين وغیرہم

(۲) **الضبط**: اس سے مراد یہ ہے کہ راوی اپنے حافظہ میں مضبوط ہو اس کے حافظہ میں کوئی سقم نہ پایا جاتا ہو۔ نیز دیگر قابل اعتماد ثقہ راویوں کی مخالفت نہ کرتا ہو اس کے علاوہ جھوٹا، غفلت شعار، غلط گو اور بہت زیادہ اوہام کا شکار نہ ہوتا ہو۔

کسی راوی کے حفظ و ضبط کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اکثر حالات میں دیگر ثقات اور معتمد رواۃ کی مخالفت نہ کرے۔ تھوڑی بہت اور معمولی سی مخالفت چنداں نقصان دہ نہیں ہے۔ اگر مخالفت بہت زیادہ ہو تو یہ صورت اس کے حفظ و ضبط میں خلل کا باعث ہوگی اور ایسا راوی نا قابل اعتبار ہوگا۔

کسی شخص کے عادل ہونے کے متعلق علامہ ابن عبد البرؒ کا مسلک یہ ہے کہ ہر صاحب علم جو علمی مشاغل کی وجہ سے اچھی شہرت کا حامل ہو۔ اسے عادل سمجھا جائے اگر اس کے متعلق کوئی جرح ثابت ہو تو اسے مرتبہ عدالت سے نیچے کیا جاسکتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث نبوی ہے کہ "اس علم دین کو ہر نسل کے عادل افراد حاصل کرتے رہیں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریفات، جہالت پیشہ لوگوں کی تاویلات اور باطل پرستوں کے دعوؤں کے تارو پود بکھیرتے رہیں گے۔" مگر محدثین عظام نے علامہ موصوف کی رائے سے اتفاق نہیں کیا ہے۔ جس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) مذکورہ حدیث کی استنادی حیثیت انتہائی کمزور ہے، اس کی تمام سندوں میں سے کوئی بھی ثابت شدہ نہیں ہے۔

(۲) اگر صحیح بھی ہو تو اس کا مفہوم ترغیب وارشاد کا ہے معنی یہ ہے کہ ہر نسل سے عادل افراد کو

علم دین حاصل کرنا چاہئے۔

❸ حقیقتِ واقعہ بھی اس کے خلاف ہے کہ بہت سے علماء دین ایسے ہیں جو صفت عدالت سے بالکل عاری ہیں بلکہ ان کا شمار علماء سوء میں ہوتا ہے۔ لہذا علامہ موصوف کی رائے سے علی الاطلاق اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ اعلم

سوال نمبر 33 مندرجہ ذیل عبارت کی تشریح کریں :

**التعديل مقبول من غيرذكر سببه ..... واما الجرح فانه لايقبل الاّ مفسرا مبين السبب**

**جواب** اس عبارت میں محدث ابن الصلاح نے محدثین کے ایک عظیم قاعدہ کو بیان کیا ہے کہ کسی راوی کی تعدیل اس کا سبب یا تفصیل بیان کئے بغیر ہی مقبول ہوتی ہے۔ محدثین کا صحیح اور مشہور مذہب یہی ہے کیونکہ تعدیل کے اسباب بہت زیادہ ہوتے ہیں جن کا شمار کرنا بہت گرانی کا باعث ہے۔ مثلاً کسی کے متعلق بایں الفاظ تبصرہ کرنا ہوگا کہ "فلاں نے ایسا نہیں کیا اور ایسا نہیں کیا یا وہ اس طرح کرتا ہے وغیرہ" مگر جرح کے متعلق اصول و قاعدہ یہی ہے کہ وہ مفسر ہی قابل قبول ہوتی ہے جس میں اس جرح کا سبب بھی بیان کیا جائے۔ کیونکہ اس کا سبب بیان کرنا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔

نیز جرح کے اسباب بھی لوگوں کی نگاہوں میں کئی طرح کے ہوتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی راوی کو اپنے گمان کے مطابق کسی سبب کی بناء پر مجروح قرار دیتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت وہ سبب باعث جرح نہیں ہوتا۔ علامہ خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب "**الكفاية فى علم الرواية**" میں مستقل ایک عنوان قائم کیا ہے کہ "بعض اسباب ایسے ہیں جو راوی میں جرح کا باعث نہیں ہیں" مثلاً شعبہ کے متعلق لکھا ہے کہ اسے پوچھا گیا تو نے فلاں راوی کی احادیث کو کیوں ترک کر دیا اس نے جواب دیا کہ "وہ بچوں کی طرح گھوڑے کو ایڑی لگاتا تھا اس لئے میں نے اس کی احادیث کو ترک کر دیا ہے۔" حالانکہ یہ ایک شخصی میلان ہے جو ترک حدیث کا باعث نہیں ہے اگر جرح کی تفصیل سامنے ہو تو راوی کے متعلق فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہی بات ظاہر اور اصول فقہ میں طے شدہ ہے اور ائمہ حدیث نیز ناقدین فن مثلاً بخاری اور مسلم وغیرہم کا مسلک ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں امام بخاری نے اپنی کتاب "**الصحيح**" میں کچھ

ایسے راویوں کی روایات کو بیان کیا ہے جن پر بعض ایسے اسباب کی بناء پر جرح کی گئی ہے جو در حقیقت جرح شمار ہی نہیں ہوتے۔ مثلاً حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباس، اسماعیل بن ابو لیس، عاصم بن علی اور عمرو بن مرزوق وغیرہم۔ اور امام مسلم نے بھی سوید بن سعید اور بعض دیگر راویوں کی روایات کو قبول کیا ہے حالانکہ ان پر جرح کی گئی ہے اور یہی اسلوب امام ابو داؤد کا ہے جو انہوں نے "سنن ابی داؤد" میں اختیار کیا ہے۔ ان تمام حضرات کا طرز عمل اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ جرح اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا سبب واضح نہ کر دیا گیا ہو۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی راوی کے متعلق جرح اور تعدیل کے دونوں اقوال وارد ہوتے ہیں ایسے حالات میں معتمد قول یہ ہے کہ جرح اگر مفسر اور واضح ہو تو اسے ترجیح حاصل ہو گی۔ اگر اس کا سبب بیان نہیں کیا گیا تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ "اگر تعدیل بیان کرنے والوں کی تعداد جرح بیان کرنے والوں سے زیادہ ہو تو تعدیل راجح ہو گی" مگر یہ قول غیر معتمد اور ضعیف ہے۔

**سوال نمبر 34** ایسے شخص کی روایت کا کیا حکم ہے جو سہل پسندی، کثرت سہو اور قبول تلقین میں معروف ہو نیز جو راوی خود روایت کر کے بھول جائے اسکے متعلق محدثین کا کیا فیصلہ ہے؟

**جواب** جس شخص کے متعلق یہ مشہور ہو کہ وہ سماع حدیث یا دوران تدریس تساہل اور غفلت کا مظاہرہ کرتا ہے اس کی روایت کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ محدثین کا یہی فیصلہ ہے اسی طرح جو شخص سماع حدیث کے وقت اونگھتا رہتا ہو، حدیث بیان کرنے کے لئے اپنی کتاب کا اصل کتاب سے موازنہ نہ کر چکا ہو اس کی روایت بھی قابل قبول نہیں ہے۔ نیز جو شخص تلقین قبول کرنے میں معروف ہے اسکی روایت بھی قبول نہیں ہوتی۔ تلقین کا مطلب یہ ہے کہ درس کے دوران کسی نے لقمہ دیا یا کوئی بات کہہ دی تو اسے قبول کر کے آگے بیان کرنا شروع کر دے اور اسے یہ معلوم ہی نہ ہو کہ یہ میری حدیث ہے بھی یا کہ نہیں۔ اور اس طرح جو شخص اپنی روایات میں بہت زیادہ سہو کا شکار ہوتا ہو اور بکثرت بھولتا ہو اسکی روایت بھی قبول نہیں کی جاتی۔

البتہ جو شخص خود روایت کر کے بھول جائے محدثین کی اصطلاح میں اسے " مَنْ حَدَّثَ وَنَسِيَ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ محدث نے اپنے شاگرد کو کوئی حدیث روایت کی

مگر بعد میں بھول گیا کہ میں نے اسے روایت کیا بھی ہے یا کہ نہیں۔ جبکہ شاگرد اس کے حوالہ سے بیان کر رہا ہے، ایسی روایت کے متعلق دو مؤقف ہیں :

❶ مذکورہ قسم کی روایت مردود ہوگی بشرطیکہ محدث حتمی طور پر اس کا انکار کر دے اور یوں کہے کہ میں نے یہ حدیث بیان نہیں کی یا اس طرح اپنے ردّ عمل کا اظہار کرے کہ یہ روایت مجھ پر اتہام ہے۔

❷ ایسی روایت مقبول ہوگی بشرطیکہ محدث انکار کرنے میں متردد ہو مثلاً یوں کہے کہ "میں اس روایت کو نہیں جانتا یا مجھے یاد نہیں پڑتا" وغیرہ اس قسم کا نسیان راوی کے لئے باعثِ جرح نہیں ہے۔

اب ہم اس کے متعلق ایک مثال بیان کرتے ہیں۔

ابو داؤد وغیرہ میں ایک حدیث بایں سند مروی ہے : **ربیعة بن ابی عبدالرحمن عن سهیل بن ابی صالح عن ابیه عن ابی هریرةان رسول الله ﷺ**..... عبدالعزیز بن محمد الدراوردی کہتے ہیں کہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے مجھے یہ روایت سہیل کے واسطہ سے بیان کی میں اس کے بعد سہیل سے ملا اور ان سے مذکورہ روایت دریافت کی تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا میں نے کہا کہ مجھے تو ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے آپ کے حوالہ سے اس اس طرح بیان کیا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد سہیل مذکورہ روایت بایں انداز بیان کرتے تھے :

**حدثنی عبدالعزیز عن ربیعة عنّی انی حدثته عن ابی عن ابی هریرة مرفوعاً**

**ترجمہ** مجھے عبدالعزیز نے بواسطہ ربیعہ حدیث بیان کی کہ میں نے انہیں اپنے باپ کے حوالہ سے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کی تھی۔

**سوال نمبر 35** مجہول راوی سے کیا مراد ہے ؟ اس کے اسباب وانواع اور حکم بیان کریں۔

**جواب** مجہول اس راوی کو کہا جاتا ہے جس کی شخصیت اور حالات معلوم نہ ہوں یا شخصیت تو معروف ہو لیکن اس کی صفات عدل وضبط کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو۔

**اسباب** : کسی راوی کے مجہول ہونے کے تین اسباب ہیں :

❶ **کثرت القاب وصفات** : کسی راوی کے کئی نام ہوں یا القاب وصفات بہت زیادہ منقول ہوں اور کسی ایک سے مشہور ہو جائے مگر جب اس کا ذکر کسی غیر معروف نام، کنیت، لقب یا صفت

سے ہو تو اسے کوئی دوسرا راوی خیال کر لیا جائے۔ اس طرح اس کے حالات گوشہ خفاء میں رہتے ہیں۔ مثلاً **محمد بن السائب بن بشر الکلبی** بعض نے اسے اس کے دادا کی طرف منسوب کر کے محمد بن بشر کہا ہے بعض نے اس کا نام حماد بن السائب بتایا ہے اسی طرح کسی نے اس کی کنیت ابو النصر، کسی نے ابو سعید اور کسی نے ابو ہشام بیان کی ہے۔

ب **قلتِ روایات** : اس کی روایات بہت کم ہوں اور اس سے روایت لینے والوں کی تعداد بھی قلیل ہو، بعض اوقات اس سے بیان کرنے والا صرف ایک ہی شاگرد ہو مثلاً ابو العشراء الدارمی ایک تابعی ہیں ان سے روایت لینے والا صرف حماد بن سلمہ ایک ہی شاگرد ہے۔

ج بعض اوقات اختصار کے پیشِ نظر کسی راوی کے نام کی تصریح نہیں ہوتی مثلاً راوی کا یہ کہنا کہ **اخبرنی فلان** اور **حدثنی رجل** وغیرہ۔

**مجہول راوی کی انواع** : اس کی تین انواع ہیں : ۱- مجہول العین ۲- مجہول الحال ۳- مبہم

1 **مجہول العین**: وہ راوی جس کا نام تو معلوم ہو لیکن اس سے روایت لینے والا صرف ایک شخص ہو اس کا حکم یہ ہے کہ ایسے راوی کی روایت قبول نہیں ہوتی۔ الا یہ کہ اس کی توثیق ہو جائے۔ اس کی توثیق دو طرح سے ہو سکتی ہے :

ا اس سے روایت لینے والے تلمیذ کے علاوہ کوئی دوسرا اس کی توثیق کرے۔

ب روایت لینے والا بھی توثیق کر سکتا ہے بشرطیکہ جرح و تعدیل میں اس کا قول قابل اعتماد ہو۔

2 **مجہول الحال**: ایسا راوی جس سے روایت لینے والے دو یا دو سے زیادہ ہوں مگر اس کی توثیق نہ کی گئی ہو۔ اسے مستور بھی کہتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کے راوی کی روایت بھی مردود ہوتی ہے۔

3 **مبہم** : اگرچہ علماء حدیث نے اس کا خاص نام تجویز کیا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ مجہول ہی کی ایک قسم ہے۔ اس کی روایت کا حکم یہ ہے کہ ایسے راوی کی روایت بھی غیر مقبول ہوتی ہے کیونکہ جس کا نام مبہم ہے اس کی شخصیت بھی مجہول ہو گی پھر اس کی عدالت کا بھی پتہ نہیں چل سکے گا جو قبولِ روایت کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ لہذا ایسے راوی کی روایت بھی قبول نہیں ہوتی الا یہ کہ اس

کے نام کی تصریح وارد ہو اور اس کی ثقاہت و عدالت بھی ثابت ہو۔

**سوال نمبر 36** بدعت کی تعریف کریں، محدثین کے ہاں اس کے مرتکب کا کیا مقام ہے ایسے شخص سے مروی حدیث کا کیا حکم ہے۔؟

**جواب** لغوی طور پر یہ لفظ بَدَعَ فعل کا مصدر ہے جس کا معنی کسی نئی چیز کا ایجاد کرنا ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں دین کے کامل ہو جانے کے بعد اس میں کسی نئی چیز کا اضافہ کرنا بدعت کہلاتا ہے۔ بدعت کے مرتکب کو بدعتی یا مبتدع کہتے ہیں محدثین نے ایسے شخص کو کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا ہے۔ تاہم بدعت کے ہلکے یا سنگین ہونے کے لحاظ سے اسے دو انواع میں تقسیم کیا ہے :

❶ **بدعتِ مکفرہ:** اس سے مراد ایسی آراء، رسوم و رواج ہیں جن کے ارتکاب سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ جو شخص کسی ایسے شرعی امر کا انکار کرے جو تواتر سے ثابت ہو اور ضروریاتِ دین کا حصہ ہو۔ یا ان کے برعکس کسی امر کا اعتقاد رکھتا ہو وہ بلاشبہ بدعت کا مرتکب ہے جس سے انسان کافر ہو جاتا ہے

❷ **بدعتِ مُفَسِّقَہ** : اس سے مراد کوئی ایسا غیر شرعی کام ہے جس کے ارتکاب سے کفر تو لازم نہ آئے البتہ اسے فسق و فجور کے دائرہ میں ضرور داخل کر دے۔

**مبتدع کی روایت کا حکم** : بدعتی راوی کی روایت مندرجہ ذیل شروط کے ساتھ قبول کی جاسکتی ہے :

1. جو امر شرعی متواتر طریق سے ثابت ہو اور امورِ دینیہ میں شامل ہو اعتقاداً یا عملاً اس کا منکر نہ ہو۔
2. بدعتی ہونے کے علاوہ ثقاہت کی دیگر تمام صفات کا حامل ہو۔
3. اپنے غلط مذہب کی تقویت کے لئے قرآن و حدیث میں تحریف نہ کرتا ہو۔
4. دینی یا دنیوی معاملات میں جھوٹ کو جائز نہ سمجھتا ہو۔
5. بیان کردہ روایت اس کے غلط نظریات کی مؤید نہ ہو۔
6. وہ اپنی بدعات کا کسی اسلوب و انداز میں داعی نہ ہو۔

اس آخری شرط کے متعلق محدث ابن الصلاح نے **ابوحاتم بن حبان البستی** کے حوالہ سے

لکھا ہے : "بدعت کا داعی اور اسے رواج دینے والا کسی صورت میں قابل اعتماد نہیں ہے یہ اتفاقی فیصلہ ہے۔ جس میں کوئی اختلاف نہیں یہی مذہب زیادہ قرین قیاس اور عدل وانصاف کے قریب ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں متعدد روایات ایسے راویوں سے مروی ہیں جنہیں بدعتی کہا گیا ہے۔ چونکہ وہ اپنی بدعت کے داعی نہ تھے اس لئے ان کی روایات کو قبول کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم"

**سوال نمبر 37** تعدیل کسے کہتے ہیں ؟اس کے مراتب تفصیل سے بیان کریں۔

**جواب** حدیث کی صحت وضعف کا دارومدار اس کے راویوں کی ثقاہت وعدالت اور ان کے ضبط وحفظ پر ہے۔ علماء امت نے اس سلسلہ میں ایسی کتب تصنیف کی ہیں جن میں راویوں کی عدالت اور ان کے حفظ واتقان کو بیان کیا ہے۔ ان تصانیف میں راویوں کے متعلق ان بیانات کو نقل کیا گیا ہے جو معتمد ائمہ سے منقول ہیں انہی ثقاہت وعدالت پر مبنی بیانات کو کسی راوی کی "تعدیل" کہا جاتا ہے۔ اس تعدیل کے کئی ایک مراتب ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

امام ابن ابی حاتم نے اپنی تصنیف "الجرح والتعدیل" میں جرح وتعدیل کے چار مراتب بیان کئے ہیں۔ بعد میں آنے والے محدثین اور ماہرین فن نے ان میں دو مراتب کا اضافہ کیا اس طرح یہ کل چھ مراتب ہیں۔

❶ سب سے اونچا مرتبہ یہ ہے کہ کسی راوی کے متعلق ایسے الفاظ استعمال ہوں جو اس کے انتہائی لائق اعتماد اور قابل وثوق ہونے کا مفہوم ادا کریں جیسے **فلان الیه المنتهی فی التثبت** یعنی فلاں شخص پر حفظ واتقان کی انتہاء ہے۔ یا فعل تفضیل کے ذریعے اس کے لائق اعتبار ہونے کا اظہار کیا گیا ہو جیسے **فلان اثبت الناس** یعنی فلاں حفظ وضبط میں سب پر فائق ہے

❷ دوسرے مرتبہ میں وہ الفاظ ہیں جن میں توثیق کی دو صفات کو جمع کیا گیا ہو۔ جیسے **فلان ثقة ثبت** یا توثیق کی کسی صفت کو بغرض تاکید مکرر ذکر کیا گیا ہو جیسے **فلان ثقة ثقة**

❸ تیسرے مرتبہ میں وہ الفاظ آتے ہیں جن میں توثیق کا بیان تاکید کے بغیر ایک ہی بار ہو۔ جیسے **فلان ثقة** وغیرہ

ان تینوں مراتب کے حامل رواۃ قابل حجت ہیں اگرچہ ان میں اولیت وارجحیت کا فرق ضرور ہے۔

❹ چوتھے مرتبہ میں وہ الفاظ آتے ہیں جن میں راوی کے حفظ واتقان کا اشارہ نہ ہو بلکہ صرف اسکی صداقت وامانت کو بیان کیا گیا ہو جیسے **صدوق، لابأس ، محله الصدق** وغیرہ

❺ پانچویں مرتبہ میں ایسے الفاظ آتے ہیں جن میں توثیق یا جرح کی نشاندہی نہ ہو مثلاً **فلان شیخ یا روی عنه الناس**

ان مراتب کے حاملین قابل حجت نہیں ہوتے تاہم ان کی روایات بغرض اختبار (امتحان) لکھی جاتی ہیں۔ اختبار کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حفظ وضبط کی بایں طور پڑتال کی جاتی ہے کہ ان کی روایات کا دیگر ثقہ اور ضابط راویوں کی روایات سے موازنہ کیا جاتا ہے۔ اگر اول الذکر راویوں کی روایات ثقہ راویوں کے مطابق ہوں تو قابل حجت سمجھی جاتی ہیں بصورت دیگر انہیں مسترد کر دیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ پانچویں مرتبہ والے چوتھے مرتبہ کی نسبت کمتر شمار ہوتے ہیں۔

❻ چھٹا مرتبہ ایسے الفاظ پر مشتمل ہے جو جرح کے قریب قریب ہوں جیسے **فلان یکتب حدیثه یا فلان صالح الحدیث** وغیرہ

اس مرتبہ کے راوی بھی قابل حجت نہیں ہوتے مگر ان کی روایات کو اعتبار یعنی تائید واستشہاد کے لئے لکھا جاتا ہے۔ ان کی مرویات اختبار یعنی تحقیق وتفتیش کے قابل بھی نہیں ہوتیں کیونکہ ان کی حیثیت خفت ضبط کی وجہ سے بہت زیادہ کمزور ہوتی ہے۔

**سوال نمبر 38** جرح سے کیا مراد ہے ؟ اس کے مراتب مع بیان حکم تحریر کریں۔

**جواب** جرح وتعدیل کی کتابوں میں بعض راویوں پر ان کی عدالت وثقاہت سے متعلق اعتراضات بھی نقل ہوئے ہیں اور ان کے حفظ وضبط کی کمزوری کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق اس قسم کی تمام باتیں غیر متعصب ائمہ کرام سے منقول ہیں۔ چنانچہ کسی شخصیت کا یہ کمزور پہلو اس پر جرح کہلاتا ہے یہ انداز گفتگو غیبت کے ضمن میں نہیں آتا۔ کیونکہ حفاظت حدیث کے لئے یہ انتہائی ناگزیر مرحلہ تھا۔

**مراتبِ جرح** : تعدیل کی طرح جرح کے بھی چھ مراتب ہیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے :

❶ وہ الفاظ جو کسی راوی کے حفظ واتقان میں کمزور ہونے کا مفہوم ادا کرتے ہیں اور یہ مرتبہ دیگر تمام مراتب سے ہلکا ہے۔ مثلاً **فلان لین الحدیث** یعنی فلاں کی بیان کردہ احادیث ذرا کمزور ہوتی ہیں یا **فیه**

**مقال** یعنی اس راوی پر کچھ اعتراض ہے۔

❷ دوسرا مرتبہ ان الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے جو کسی راوی کے عدم حجت پر دلالت کرتے ہوں۔ مثلاً **لایحتج به یا فلان ضعیف یا له مناکیر** وغیرہ

ان دو مراتب کے حاملین کی روایات قابل حجت تو نہیں ہوتیں مگر اعتبار یعنی تائید واستشہاد کے لئے لکھی جاتی ہیں اور اس میں دوسرے مرتبہ کا راوی پہلے مرتبہ کے راوی کی نسبت کم تر ہوتا ہے۔

❸ تیسرے مرتبہ میں وہ الفاظ آتے ہیں جو راوی کی روایات کے ناقابل کتابت ہونے پر دلالت کرتے ہوں مثلاً **فلان لایکتب حدیثه ، لا تحل الروایة عنه ، واه بمرة ،ضعیف جداً** وغیرہ

❹ چوتھا مرتبہ ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے جن میں کذب وافتراء کا اتہام ہوتا ہے مثلاً **متهم بالکذب ، متهم بالوضع ، یسرق الحدیث ، ساقط ، متروك ، لیس بثقة** وغیرہ

❺ پانچواں مرتبہ ایسے الفاظ کا ہے جن میں جھوٹ وغیرہ کی صراحت ہوتی ہے مثلاً **کذاب ، دجال ،وضاع، یضع ،یکذب**

❻ چھٹے مرتبہ میں ایسے الفاظ آتے ہیں جن میں راوی کے انتہائی جھوٹے ہونے کا بیان ہوتا ہے یہ مرتبہ دیگر مراتب سے زیادہ سنگین اور برا ہوتا ہے مثلاً **فلان اکذب الناس ، الیه المنتهی فی الکذب هو رکن الکذب** وغیرہ

ان آخری چار مراتب کے راویوں کی روایات نہ تو قابل حجت ہوتی ہیں اور نہ ہی تحقیق وتدقیق (اختبار) کے کام آتی ہیں اور نہ ہی انہیں تائید واستشہاد (اعتبار) کیلئے پیش کیا جاسکتا ہے۔

**سوال نمبر 39** محدثین کی اصطلاح میں "**سماع الحدیث والتحمل والاداء**" سے کیا مراد ہے؟

**جواب** اساتذہ حدیث سے احادیث رسول سننے کو سماع الحدیث اور مختلف اسالیب سے احادیث کو حاصل کرنا "تحمل احادیث" کہلاتا ہے۔ اور ان فرامین رسول اللہ ﷺ کو بہترین انداز اور صحیح ترین صورت میں اپنے تلامذہ کو منتقل کرنا "اداء الحدیث" ہے۔ محدثین کرام نے اس سلسلہ میں سعی بلیغ فرمائی ہے، اس کیلئے نہایت دقیق اصول اور لطیف ضوابط مقرر فرمائے ہیں تاکہ ایک مسلمان کو حدیث نبوی ﷺ کے سننے اور اس کے سلسلہء نقل پر کامل اعتماد ہو۔ نیز اسے یقین ہو کہ نقل وسماع کا یہ طریقہ انتہائی محفوظ اور ہر قسم کے شک

وشبہ سے بالاتر ہے۔

**تحمل حدیث اور اسلام** اساتذہ حدیث سے کسب فیض کیلئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے تحصیل علم زمانہ کفر میں بھی ممکن ہے جیسا کہ حضرت جبیر بن مطعم ﷺ نے زمانہ کفر میں رسول اللہ ﷺ کو نماز مغرب میں سورۃ مرسلات پڑھتے سنا تھا۔ تاہم علم حدیث کو آگے نقل کرنے کیلئے مسلمان ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ روایت حدیث کیلئے عدالت اور ضبط واتقان دو بنیادی کردار ہیں۔ زمانہ کفر میں نقل حدیث قابل اعتماد نہیں ہے۔

**تحمل حدیث اور بلوغ** تحصیلِ علمِ حدیث کیلئے بالغ ہونا بھی ضروری نہیں ہے تاہم طالب علم کو باشعور اور سمجھدار ہونا چاہئے محدثین عظام اپنے بچوں کو مجلس حدیث میں لایا کرتے تھے پھر آئندہ زمانہ بلوغ میں ان کی روایات کو قابل اعتماد خیال کرتے تھے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے تحمل حدیث کیلئے بلوغ کو ضروری بتایا ہے تاہم ان کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مسلمانوں نے حضرت حسن بن علی ﷺ، حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ، حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ، حضرت نعمان بن بشیر ﷺ اور اسی طرح دیگر صغار صحابہ کی روایات کو بغیر کسی تمیز کے قبول کیا ہے کہ یہ روایات بلوغت سے پہلے کی ہیں یا بعد کی۔

سماع حدیث کا آغاز عمر کے کس حصہ میں ہونا چاہئے اس سلسلہ میں محدثین کی مختلف آراء ہیں:

❶ اہل شام کی رائے ہے کہ تیس سال کی عمر میں ابتداء کرنا مستحب ہے تاکہ ذہن اچھی طرح پختہ ہو جائے۔

❷ اہل کوفہ کے ہاں بیس سال کی عمر میں آغاز کرنا چاہئے۔

❸ اہل بصرہ کے نزدیک دس سال کی عمر میں سماع حدیث کا آغاز مستحسن ہے۔

❹ صحیح بات یہ ہے کہ جب طالب علم میں صلاحیت واستعداد پیدا ہو اس مبارک عمل کو شروع کر دینا چاہئے عمر کے کسی خاص حصہ کا انتظار نہ کیا جائے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ایک عنوان یوں قائم کیا ہے "**متٰی یصح سماع الصغیر**" کم عمر بچے کا سماع کس عمر میں قابل اعتماد ہوگا، اس سلسلہ میں انہوں نے حضرت محمود بن ربیع کی ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے اور ان کی عمر اس وقت پانچ سال تھی اس بناء پر اہل حدیث نے بچے کیلئے کم از کم پانچ سال کی عمر متعین کی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ بچے کیلئے تمیز وشعور کا اعتبار کیا جائے

یعنی بچہ اگر بات سن کر صحیح جواب دے سکتا ہے تو اسکا سماع صحیح ہو گا بصورت دیگر اس کے سماع کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ واللہ اعلم

**سوال نمبر 40** اساتذۂ کرام سے کسب حدیث نبوی کے لئے کون کونسے طریقے ہیں پھر سب سے اعلیٰ طریقہ پر نوٹ لکھیں؟

**جواب** محدث ابن الصلاح نے اخذ حدیث کے متعلق آٹھ طریقے بیان کیے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

١ **السماع من لفظ الشیخ**____ شیخ سے براہ راست سننا
٢ **القراءۃ علی الشیخ**____ شیخ کو حدیث پڑھ کر سنانا
٣ **الإجازۃ**____ شیخ کا اپنی مرویات کے متعلق اجازت دے دینا
٤ **المناولۃ**____ شیخ کا اپنے شاگرد کو کوئی مکتوب وغیرہ دینا
٥ **الکتابۃ**____ شیخ کا اپنے شاگرد کو خود یا کسی سے کوئی تحریر لکھوا کر دینا
٦ **الاعلام**____ شیخ کا اپنے شاگرد کو مطلع کرنا
٧ **الوصیۃ**____ شیخ کا وصیت کرنا
٨ **الوجادۃ**____ طالب علم کو شیخ کی کتاب وغیرہ کا مل جانا

ان میں سے پہلے طریقے کے متعلق محدث ابن الصلاح لکھتے ہیں "**ھٰذا القسم ارفع الاقسام عند الجماھیر**" یعنی جمہور کے نزدیک یہ صورت اخذ حدیث کی تمام صورتوں سے اعلیٰ اور بلند پایہ ہے اس کی مختصر تشریح پیش خدمت ہے۔

**السماع من لفظ الشیخ:** اس کی صورت یہ ہے کہ استاذ حدیث پڑھے اور طالب علم اس کا سماع کرے، شیخ خواہ کتاب سے دیکھ کر پڑھے یا اپنی یادداشت سے قرأت کرے اس طرح طالب علم خواہ محض سننے پر اکتفاء کرے یا سننے کے ساتھ ساتھ لکھتا بھی جائے۔

**طریقہ اداء** تحمل حدیث کی مختلف صورتوں کو آگے بیان کرنے کے لئے مختلف اصطلاحی الفاظ کی شہرت سے پہلے مندرجہ ذیل الفاظ استعمال ہوتے تھے جیسا کہ محدث ابن الصلاح نے قاضی عیاضؒ کے

حوالہ سے لکھا ہے :

**حدثنا ،اخبرنا ،انبأنا ،سمعت فلاناً یقول،قال لنا فلان ،ذکرلنا فلان**

لیکن جب اصطلاحات میں پختگی آگئی اور محدثین کے ہاں ان کی شہرت عام ہو گئی تو سماع من لفظ الشیخ کو ادا کرنے کیلئے **سمعت یا حدثنی** رائج ہو گیا جیسا کہ علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں :**ان ارفع العبارات فی ذلك سمعت ثم حدثناوحدثنی**

"اس کی ادائیگی کے لئے بہترین عبارت **سمعت** ہے پھر **حدثنا یا حدثنی** کا استعمال ہے۔"

محدث ابن الصلاح نے لکھا ہے کہ اس کی ادائیگی **حدثنایا اخبرنا** کے الفاظ سے کی جائے تو یہ **سَمِعْتُ** سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ **سَمِعْتُ** میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ محدث نے اسے مخاطب کر کے حدیث بیان کی تھی کیونکہ پس پردہ بیٹھ کر بھی حدیث سنی جاسکتی ہے۔ جبکہ **حدثنا** اور **اخبرنا** میں اس کی صراحت بدرجہ اتم موجود ہے البتہ مذاکرہ کیلئے **قال لنا فلان یا ذکر لنا فلان** کے الفاظ زیادہ موزوں ہیں۔واللہ اعلم

**سوال نمبر 41** **القراءۃ علی الشیخ** پر نوٹ لکھیں نیز اس کے رتبہ کا تعین کریں اور بتائیں کہ اس کے طریقہ اداء میں کونسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

**جواب** شاگرد کا اپنے شیخ کو احادیث پڑھ کر سنانا **القراءۃ علی الشیخ** کہلاتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی طالب علم شیخ کی مرویات پڑھے اور شیخ انہیں سنے۔اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ استاد اپنے شاگرد سے یہ مرویات سن کر ان کی تصدیق کردے اس میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ طلبہ کی جماعت میں سے کوئی ایک پڑھے اور باقی طلبہ سماع کریں۔ نیز قراءت کتاب سے دیکھ کر اور حفظ دونوں سے ہو سکتی ہے اسی طرح شیخ سماع کے لئے اپنے حفظ پر اعتماد کرے یا کتاب سے دیکھے یا اس کا کوئی قابل اعتماد ساتھی کتاب سے دیکھتا چلا جائے الغرض یہ تمام کیفیات القراءۃ علی الشیخ میں آتی ہیں اکثر محدثین اسے عرض سے تعبیر کرتے ہیں۔

محدثین اس انداز سے روایت کرنا جائز سمجھتے ہیں البتہ بعض متشددین نے ناجائز کہا ہے۔امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایسے لوگوں کی تردید فرمائی ہے اور حضرت امام حسن بصریؒ حضرت سفیان ثوریؒ اور امام مالکؒ سے اس کا جواز نقل کیا ہے اور حضرت ضمام بن ثعلبہ ؓ کی حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو شب و روز میں پانچ نمازیں ادا کرنے کا

حکم دیا ہے؟ تو آپ نے "اللّٰھم نعم" کہہ کر اس تصدیق کی تھی۔

**رتبہ کی تعیین** محدثین کے ہاں اس کے رتبہ تعیین کے متعلق تین اقوال ہیں:

❶ **سماع کے برابر**: حجاز کے علماء امام مالک، ان کے تلامذہ اور شیوخ اسی طرح علماء کوفہ اسے سماع کے مساوی قرار دیتے ہیں۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس مسلک کو ترجیحاً نقل کیا ہے فرماتے ہیں:

"سمعت ابا عاصم يقول عن مالك وسفيان :القراءة على العالم وقراءته سواء"

❷ **سماع سے برتر**: امام ابو حنیفہ اور امام ابن ابی ذئب کہتے ہیں کہ یہ سماع سے اونچا درجہ رکھتا ہے امام مالک سے بھی ایک روایت ان حضرات کے مطابق مروی ہے۔

❸ **سماع سے کم تر**: جمہور علماء مشرق سے منقول ہے کہ روایت کا یہ انداز سماع سے کم درجہ رکھتا ہے محدث ابن الصلاح نے اسی مسلک کو ترجیح دی ہے۔

**الفاظ اداء** اس کیلئے محتاط الفاظ یہ ہیں: **قرأتُ على فلان** میں نے فلاں شیخ پر قرأت کی اور اس طرح بھی جائز ہے کہ سماع من لفظ الشیخ والے الفاظ میں **قرأة عليه** کا اضافہ کر دے۔ امام بخاری نے حضرت سفیان ثوری سے نقل کیا ہے کہ: **اذا قرئ على المحدث فلا بأس ان يقول حدثني** (صحیح بخاری)

"یعنی **حدثني** کے الفاظ سے بھی روایت کی جا سکتی ہے۔ تاہم لفظ **اخبرنا** کو زیادہ شہرت حاصل ہے اور اس پر اکثر محدثین کا عمل ہے۔ واللہ اعلم

**سوال نمبر 42** الاجازۃ سے کیا مراد ہے؟ اس کی کتنی انواع ہیں نیز اس کی ادائیگی کے الفاظ بھی تحریر کریں؟

**جواب** اجازہ سے مراد روایت حدیث کی اجازت دینا ہے خواہ زبانی ہو یا تحریری اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً شیخ اپنے شاگرد کو کہے کہ میں تجھے اپنی طرف سے صحیح بخاری روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

**انواع**: اجازہ کی کئی انواع ہیں ہم صرف پانچ کا ذکر کرتے ہیں:

❶ کسی معین شاگرد کو کسی معین کتاب کی اجازت دے مثلاً یہ کہے کہ تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ صحیح مسلم روایت کر سکتے ہو۔ محدث ابن الصلاح کے بقول اجازہ کی انواع میں سے یہ نوع سب سے اعلیٰ ہے۔

❷ شیخ کسی معین شاگرد کو غیر معین کتب روایت کرنے کی اجازت دے مثلاً یہ کہے کہ میں تمہیں اپنی مرویات کو روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

❸ شیخ غیر معین لوگوں کو غیر متعین کتابوں کی عمومی اجازت دے مثلاً یوں کہے کہ میں اپنے اہل زمانہ کو اپنی مرویات کی اجازت دیتا ہوں۔

❹ شیخ کسی مجہول کتاب کی اجازت دے مثلاً یوں کہ میں تمہیں کتاب سنن کی اجازت دیتا ہوں جبکہ وہ سنن کی کئی کتابوں کی روایت رکھتا ہو یا کسی مجہول فرد کو اجازت دے۔ مثلاً یوں کہے کہ میں محمد بن عمر کو اجازت دیتا ہوں جبکہ اس نام کے کئی افراد ہوں۔

❺ معدوم کو اجازت دے مثلاً یوں کہے کہ میں فلاں کی ہونے والی اولاد کو اجازت دیتا ہوں۔

**اس کا حکم** اجازہ کی مذکورہ انواع میں سے پہلی نوع کی روایت جائز ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل اور اتفاق ہے اور جمہور علماء نے بھی اسے ہی جائز قرار دیا ہے۔ بقیہ انواع کے جواز میں شدید اختلاف ہے۔ بہر حال الاجازہ اخذ حدیث کی ایک کمزور صورت ہے اس کی روایت سے اجتناب اولیٰ ہے۔

**ادائیگی کے الفاظ** : اجازہ کی صورت میں حاصل کردہ روایت کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے : **"اجاز لی فلان"** مجھے فلاں نے اسے روایت کرنے کی اجازت دی ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ سماع اور قرأۃ کی عبارات میں اجازۃ کا اضافہ کر لیا جائے یعنی یوں کہا جائے :

**حدثنا اجازة ..... اخبرنا اجازة**

البتہ متأخرین کی اصطلاح میں اس کی ادائیگی کے لئے **انبأنا** رائج ہے۔

**نوٹ** : محدث ابن الصلاح نے اجازہ کی دو مزید اقسام بھی ذکر کی ہیں :

❶ مجیز کسی ایسی چیز کی اجازت دے جسے وہ ابھی تک خود حاصل نہیں کر سکا ہے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

❷ جس چیز کی شیخ سے اجازت ملی ہے ان تمام کی آگے اپنے شاگرد کو اجازت دے اگرچہ بعض لوگوں نے اسے ناجائز کہا ہے۔ تاہم محدث ابن الصلاح کے ہاں ایسا کرنا جائز ہے۔

**سوال نمبر 43** مندرجہ ذیل انواع تحمل پر مختصر نوٹ لکھیں :

**المناولة ، الكتابة ، الاعلام ، الوصية ، الوجادة**

**جواب** ❶ **المناولة** : المناولۃ کا معنی شیخ کا اپنے شاگرد کو کوئی مکتوب وغیرہ دینا۔ اس کی دو اقسام ہیں

**(ا) مناولة مع الإجازة:** اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنے شاگرد کو اپنی کتاب دے اور کہے کہ اس کتاب کی مجھے فلاں سے روایت حاصل ہے تم اسے مجھ سے روایت کر سکتے ہو۔ اس سے روایت جائز ہے لیکن اس کا سماع من لفظ الشیخ اور قراءۃ علی الشیخ سے کم درجہ کا ہے۔ اس کی ادائیگی کے لئے یوں کہا جائے "**ناولنی واجازنی**" اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے " **حدثنا مناولة** اور **اخبرنا مناولة واجازة** "

**(ب) مناولة بدون اجازة:** اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ شاگرد کو اپنی کتاب دے اور صرف اتنا کہے کہ میں نے یہ کتاب فلاں سے سنی ہے۔ چونکہ اس میں اجازت نہیں دی گئی لہذا اس سے روایت کرنا صحیح نہیں ہے۔

**(۲) الکتابة:** اسکی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنی کتاب یا روایات کسی کو لکھ کر دے اس کی بھی دو اقسام ہیں:

**(ا) کتابة مع الاجازة:** محدث یوں کہے کہ جو تحریر میں نے تمہیں لکھ دی ہے اسکی تمہیں اجازت ہے۔

**(ب) کتابة بدون اجازة:** ایسی تحریر جس کے ساتھ اجازت کی تصریح نہ ہو اس کی تصریح بایں الفاظ ہوگی "**کتب لی فلان**" یعنی فلاں نے مجھے لکھ بھیجا یا "**حدثنی فلان کتابة** یا **اخبرنی فلان کتابة**"

**(۳) الاعلام:** اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ تلمیذ کو اطلاع دے اور بتائے کہ اس حدیث یا کتاب کا مجھے سماع حاصل ہے۔ اس میں اجازت کا ذکر نہیں ہوتا لہذا اس صورت میں روایت حدیث جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں شیخ نے صرف خبر دی ہوتی ہے۔

**(٤) الوصیة:** شیخ اپنی وفات یا سفر کے موقع پر اپنی کسی کتاب کی کسی شخص کو وصیت کر جائے اس صورت میں روایت کرنے کے متعلق صحیح قول یہ ہے کہ جائز نہیں۔ کیوں کہ وصیت کرنیوالے نے صرف کتاب کی وصیت کی ہوتی ہے۔ روایت کے متعلق اجازت نہیں دی ہوتی اگر آگے روایت کرنا چاہے تو یوں کہے: **اوصی لی فلان بکذا یا حدثنی فلان وصیةً**

**(٥) الوجادة:** یہ لفظ "**وجد**" ماضی کا مصدر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ کی تحریر

یا کتاب کا کسی طرح حاصل ہو جانا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شاگرد کو کہیں سے اپنے شیخ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی احادیث مل جائیں جن کی شیخ کو روایت حاصل تھی اور تلمیذ اپنے شیخ کے خط کو بخوبی جانتا بھی ہو۔ ان روایات کی تلمیذ کو خبر تھی مگر اسے براہِ راست سماع حاصل نہ ہو سکا اور نہ ہی ان کی اجازت ملی تھی۔ روایت بالوجادۃ میں ایک طرح سے سند میں انقطاع ہوتا ہے مگر ایک دوسرے اعتبار سے متصل بھی ہوتی ہے اگر وجادہ کی روایت کرے تو یوں کہے : **وجدت بخط فلان کذا** میں نے فلاں کی تحریر پائی اس کی سند اور متن ذکر کرے۔ واللہ اعلم

**سوال نمبر 44** کتابت حدیث کے متعلق متقدمین کے اختلاف اور وجہ اختلاف کو تفصیل سے بیان کریں پھر دلائل کی روشنی میں راجح مؤقف کی نشاندہی کریں۔

**جواب** کتابتِ حدیث کے متعلق سلف صالحین میں اختلاف رہا ہے اس کے متعلق دو اقوال منقول ہیں :

❶ کچھ صحابہ کرام احادیث رسول کو ضبط تحریر میں لانے کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو موسیٰ اشعری، اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے کراہت منقول ہے۔ اس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کا درج ذیل ارشاد گرامی ہے جسے حضرت ابو سعید خدری نے بیان کیا ہے :

> "مجھ سے قرآن کے علاوہ اور کچھ نہ لکھو جس کسی نے قرآن کے علاوہ اور کچھ لکھا ہو تو اسے مٹا ڈالے۔" (صحیح مسلم)

اس فرمان نبوی کے پیش نظر مذکورہ حضرات کتابتِ حدیث کو ناپسند کرتے تھے۔

❷ کچھ صحابہ کرام کتابتِ حدیث کو جائز سمجھتے تھے مثلاً حضرت علی، حضرت حسن، حضرت انس، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم ان کے علاوہ متعدد تابعین عظام بھی احادیث رسول ﷺ کو ضبط تحریر لانے کے قائل تھے۔ جن میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بر سر فہرست ہیں بلکہ ان کے دورِ خلافت میں تو سرکاری طور پر اس کا اہتمام کیا گیا اور حضرت ابن شہاب زہری کو یہ ذمہ داری سونپی گئی۔ یہ حضرات اپنے مؤقف کی تائید میں ایسی احادیث پیش کرتے ہیں جن میں فرمودات رسول ﷺ کو لکھ لینے کی اجازت موجود ہے۔ ان میں ایک حدیث وہ بھی ہے جس میں آپ

نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنے فرمودات لکھنے کی اجازت دی تھی اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے ابو شاہ الیمنی کی درخواست پر فتح مکہ کے موقع پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اسے ضبط تحریر میں لانے کا حکم دیا تھا۔

ان مختلف اقوال کے پیشِ نظر کتابت حدیث کے متعلق متقدمین میں اختلاف ہوا کسی حدیث میں لکھنے کی اجازت تھی تو دوسری حدیث میں اس سے منع کیا گیا تھا۔

**مختلف اقوال میں جمع و تطبیق** : ان مختلف احادیث کو دو طرح سے جمع کیا گیا ہے :

❶ احادیث کو ضبط تحریر میں لانے کی اجازت اس شخص کو ہے جسے نسیان کا خطرہ ہو اور نہی کا تعلق اس شخص سے ہے جسے اس قسم کا اندیشہ نہ ہو۔

❷ نہی کا حکم اس خطرہ کے پیش نظر دیا گیا تھا کہ مبادا فرامین رسول ﷺ اور قرآن مجید باہمی خلط ملط ہو جائیں۔ جب یہ اندیشہ جاتا رہا تو احادیث لکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس صورت میں نہی کا حکم منسوخ ہو گا۔ بالآخر کتابتِ حدیث کے جواز پر امت کا اجماع ہو گیا اگر احادیث رسول کو دفاتر میں جمع نہ کیا جاتا تو ہم لوگوں تک احادیثِ رسول نہ پہنچ پاتیں اور ہم اس سعادت سے محروم رہتے۔

**سوال نمبر 45** مندرجہ ذیل عبارت کی تشریح کریں۔ ؟

**اذا اراد رواية ما سمع على معناه دون لفظه فان لم يكن عالماً عارفًا بالالفاظ ومقاصد خبيراً بما يحيل معانيها بصيراً بمقادير التفاوت بينها فلا خلاف انه لا يجوز له ذلك**

**جواب**

اگر کوئی سنی ہوئی کلام کو متکلم کے الفاظ کی بجائے اپنے الفاظ میں بیان کرنا چاہتا ہو تو اگر وہ الفاظ اور ان کے معانی و مقاصد کا صحیح طور پر عالم نہیں ہے اور الفاظ کے تغیر سے معانی پر مرتب ہونے والے اثرات سے بھی واقف نہیں اور نہ ہی اس فرق کی مقدار سے واقف ہے تو ایسے انسان کو روایت بالمعنی جائز نہیں۔ یعنی کسی کی عبارت کو اپنے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔

**تشریح** : اس عبارت میں روایت بالمعنی اور اس کے حکم کو بیان کیا گیا ہے، اس میں متقدمین علماء کا اختلاف ہے بعض اس کے جواز کے قائل ہیں اور کچھ اسے جائز قرار نہیں دیتے اور بعض احادیث رسول میں روایت بالمعنی کو ناجائز سمجھتے ہیں اور دیگر روایات میں اس کی اجازت دیتے ہیں چنانچہ اصحاب الحدیث . فقہاء اور اصولیین کا ایک گروہ اسے جائز نہیں سمجھتا ان میں امام ابن سیرینؒ اور ابوبکر الرازیؒ کا نام سر فہرست ہے۔ جبکہ جمہور محدثین اور فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں لیکن ضروری ہے کہ روایت بالمعنی کرنے والا قائل کلام اور معنی کو کامل طور پر صحیح ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

**روایت بالمعنی کی شرائط** : جن محدثین نے روایت بالمعنی کو جائز قرار دیا ہے ان کے ہاں اس کی دو شرطیں ہیں :

1. راوی صحیح طور پر الفاظ اور ان کے معانی و مقاصد سے واقف ہو۔
2. الفاظ کی تبدیلی سے معانی پر مرتب ہونے والے اثرات کو جاننے والا ہو۔

یاد رہے کہ رخصت صرف حفظ یعنی زبانی طور پر روایت کرنے سے متعلق ہے۔ البتہ تصنیف شدہ کتب میں روایت بالمعنی جائز نہیں ہے اور نہ ہی مدون کتابوں کے الفاظ بدلنے جائز ہیں۔ کیونکہ روایت بالمعنی کو ایک ضرورت اور مجبوری کے وقت جائز قرار دیا گیا ہے کہ راوی اپنے حفظ سے روایت کر رہا ہو اور کوئی ایک آدھ کلمہ اگر یاد نہ رہا ہو تو اسے اپنے الفاظ میں بیان کر دے لیکن جب احادیث پر مشتمل کتب مدون ہو چکی ہوں تو اب روایت بالمعنی کی قطعاً کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

**مزید احتیاط** روایت بالمعنی کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ حدیث بیان کرنے کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ سے اپنے قصور کا اعتراف کرے :

**او کما قال یا او نحوھذا یا او شبھه وغیرہ**

حضرت عبداللہ بن مسعود ، حضرت ابودرداء اور حضرت انسؓ جب احادیث رسول بیان کرتے تو اس کے بعد ان الفاظ کو دہراتے تھے۔ باوجود اس کے کہ وہ اہل زبان تھے اور کلام کی باریکیوں اور لطافتوں سے واقف تھے تاہم وہ روایت بالمعنی کے خطرات سے بخوبی آگاہ تھے اس لئے روایت بیان کرنے کے بعد **اوکما قال رسول اللہ** ﷺ ضرور کہتے تھے تاکہ آپ کی طرف ایسے الفاظ کی نسبت نہ ہونے پائے جو

آپ نے ارشاد نہ فرمائے ہوں۔ واللہ اعلم

**سوال نمبر 46** مندرجہ ذیل عبارت کا ترجمہ کریں اور اس کی روشنی میں آدابِ محدث پر ایک جامع نوٹ لکھیں:

**علم الحديث علم شريف يناسب مكارم الاخلاق ومحاسن الشيم وينافر مساوى الأخلاق ومشاين الشيم ، وهو من علوم الآخرة لا من علوم الدنيا . فمن أراد التصدى لاسماع الحديث أو لافادة شيء من علومه فليقدم تصحيح النية وإخلاصها**

**جواب** محدث ابن الصلاح نے "**معرفة آداب المحدث**" کے عنوان کا مندرجہ بالا عبارت سے آغاز کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"حدیث کا علم ایک پروقار اور باعظمت علم ہے، اچھے اخلاق اور بہترین اطوار کے ساتھ اس کی گہری مناسبت ہے گندے اخلاق اور بری عادات کے یکسر منافی ہے۔ نیز علم حدیث دنیوی علم سے نہیں بلکہ اس کا سراسر اخروی علوم سے تعلق ہے۔ لہذا جو مسند حدیث پر فروکش ہو کر لوگوں کو درس حدیث دینا چاہتا ہو یا اس کے متعلق معلومات فراہم کرنا چاہتا ہو۔ اسے چاہئے کہ سب سے پہلے اپنی نیت کو درست کر لے اور اخلاص کے زیور سے خود کو آراستہ کرے۔"

## آدابِ محدث

❶ اپنی نیت کو خالص بنائے اپنے دل کو دنیوی اغراض مثلاً حصول شہرت یا جلب زر کی میل کچیل سے پاک رکھے۔

❷ اللہ کے ہاں اجر و ثواب کی نیت سے احادیثِ رسول کی تبلیغ کرے۔

❸ اگر کوئی اس سے علم یا عمر میں بڑا عالم موجود ہو تو اس کی موجودگی میں حدیث بیان نہ کرے۔

❹ اگر کوئی طالب علم اس سے کسی حدیث کا مفہوم دریافت کرے اور اسے معلوم ہو کہ میرے پاس اس کے متعلق معلومات نہیں ہیں تو کسی دوسرے عالم کے پاس جانے کے لئے اس کی راہنمائی کرے۔

۵ کسی طالب علم کے متعلق اسے پتہ چلے کہ اس کی نیت میں فتور ہے تو محض اس وجہ سے اسے علم سے محروم نہ کرے کیونکہ نیت کا معاملہ ایسا ہے کہ کسی بھی وقت درست ہو سکتا ہے۔

۶ اگر خود کو روایتِ حدیث کا اہل پاتا ہے تو تعلیم حدیث اور املاء حدیث کیلئے باقاعدہ مجلس کا اہتمام کرے۔ روایت حدیث کا متقدمین سے یہی اسلوب چلا آرہا ہے۔

۷ مجلسِ تحدیث میں طہارت، خوشبو وغیرہ کا اہتمام کرے پروقار اور بارعب ہو کر بیٹھے۔

۸ اندازِ بیان حاضرین مجلس کے ذہن سے بالا نہ ہو بلکہ ایسی احادیث بیان کرنے سے اجتناب کرے جسے وہ سمجھ نہ سکتے ہوں۔

۹ مجلس کے تمام حاضرین کی طرف متوجہ رہے صرف چند ایک پر توجہ دے کر دوسروں سے اعراض نہ کرے۔

۱۰ مجلس تحدیث کا افتتاح اللہ کی حمد و ثناء اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام سے کرے، مجلس کے اختتام پر بھی مسنون دعا پڑھے اور حاضرین کو اس کی تلقین کرے۔

**سوال نمبر 47** محدث ابن الصلاح نے "**معرفة آداب طالب الحديث**" کے زیر عنوان طالب علم کے جو آداب بیان کئے ہیں انہیں اپنے الفاظ میں قلم بند کریں؟

**جواب** علم حدیث تمام علوم سے افضل و اعلیٰ ہے اس لئے اسے حاصل کرنے والے کو ایسے اوصاف عالیہ اور اخلاق حمیدہ سے متصف ہونا چاہئے جو اس علم کے شرف و فضل کے شایان شان ہو اور وہ آداب حسب ذیل ہیں:

۱ سب سے پہلے اصلاح نیت کا اہتمام کرے، حصول علم حدیث کی غرض و غایت صرف حصولِ رضائے الٰہی ہو دنیوی اغراض و مقاصد کا حصول قطعاً اس کے پیشِ نظر نہ ہو۔ حضرت حماد بن سلمہ کا فرمان ہے کہ جو طالب علم حدیث شریف کے علم کو اللہ کی رضا کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے حاصل کرتا ہے اسے دنیا میں کسی آزمائش سے دوچار کر دیا جائے گا۔

۲ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ دعا گو رہے کہ وہ حدیث کے فہم و ضبط کی توفیق دے اور اس کے لئے حالات سازگار رکھے۔ اس دوران کسی قسم کی رکاوٹ یا مشکل اس مبارک کام میں حائل نہ ہونے دے۔

❸ طالب حدیث کو چاہئے کہ پوری یکسوئی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو اور اپنے آپ کو دیگر مشاغلِ دنیا سے فارغ کرلے اس طرح علم حدیث دل کی گہرائیوں میں اترے گا۔

❹ سماع حدیث کے لئے سب سے پہلے مقامی مشائخ کی شاگردی اختیار کرے جو علم و فضل اور تقویٰ و طہارت میں نمایاں مقام رکھتے ہوں اس کے بعد وہ دیگر شہروں کا رخ کرے اس سلسلہ میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ سند عالی کے حصول کے لئے سفر کرنا انتہائی ناگزیر ہے۔

❺ اپنے استاد کی تعظیم و توقیر میں کمی نہ کرے، اس کے عزت و احترام کا پورا پورا خیال رکھے اس سے حصول علم میں بہت مدد ملتی ہے اور اس کے بابرکت ہونے کا ذریعہ بھی ہے۔ اگر کبھی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے تو خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔

❻ جن علمی فوائد پر مطلع ہو چکا ہے انہیں اپنے ساتھیوں تک پہنچانے میں بخل سے کام نہ لے کیونکہ علم کا چھپانا جہالت اور نادانی ہے بلکہ اسے عام کرنا اور پھیلانا تو علم کا بنیادی مقصد ہے۔

❼ سماع حدیث اور تحصیل علم کے لئے شرم و حیاء کو رکاوٹ نہ بنائے اور نہ ہی تکبر و غرور کی وجہ سے جہالت اختیار کرے ایسے ہی عمر کے بڑا ہونے کو رکاوٹ خیال نہ کرے۔

❽ جو علم حاصل کرے اسے خوب سمجھ کر حاصل کرے صرف پڑھ لینے یا لکھ لینے پر اکتفاء نہ کرے۔ سبق پڑھتے وقت یہ بات ذہن نشیں رہے کہ کل میں نے خود سبق پڑھانا ہے

❾ جو احادیث پڑھ یا سن لی ہیں ان پر عمل کرنے کی کوشش کرے یہ احادیث کی زکوٰۃ ہے۔ حضرت وکیع فرماتے ہیں: "اگر تم احادیث کو حفظ کرنا چاہتے ہو تو ان پر عمل شروع کردو۔"

❿ کتب حدیث میں پہلے **صحیحین** کو ترجیح دے اس کے بعد سنن اربعہ کا درجہ ہے پھر سنن کبریٰ بیہقی اور اسکے بعد دیگر مسانید و جوامع کو پڑھے، اس طرح درجہ بندی کا خیال رکھے۔

**سوال نمبر 48** مندرجہ ذیل عبارت کی تشریح کرتے ہوئے سند کی اہمیت و افادیت پر ایک جامع نوٹ لکھیں نیز بتائیں کہ "علو سند" کیوں مرغوب ہوتی ہے:

**اصل الاسناد اولاً خصيصة فاضلة من خصائص هذه الامة وسنة بالغة من السنن المؤكدة**

**جواب** اسکا ترجمہ یہ ہے کہ :"سند واسناد اس امت کا گرانقدر خاصہ ہے اور اسکا حصول سنتِ مؤکدہ سے ہے۔"

**تشریح** :اس میں شک نہیں کہ سند اس امت مرحومہ کا وہ عظیم شرف ہے جس میں اور کوئی امت شریک نہیں ہے۔لہذا ضروری ہے کہ جب کسی کے پاس کوئی بات پہنچے تو اس کے پہنچانے والے پر خاص نظر رکھی جائے کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔امام عبداللہ بن مبارکؒ کا قول ہے :**الاسناد من الدین لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء**

"یعنی اسناد دین کا حصہ ہے اگر اسناد کا اہتمام نہ ہوتا تو ہر انسان جو چاہتا کہہ دیتا۔"

امام ثوری فرماتے ہیں :"**الاسناد سلاح المؤمن**"یعنی سند مؤمن کا ہتھیار ہے۔"

اس سند کے ذریعے ہی کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے،غلط اور صحیح کے درمیان امتیاز ہوتا ہے،دنیا میں اس وقت بے شمار شرائع اور ادیان رائج ہیں۔لیکن سند کے فقدان کی وجہ سے ان میں بے شمار شکوک وشبہات اور اوہام وظنون در آئے بلکہ وہ بازیچہ اطفال بنے ہوئے ہیں یہ صرف شریعت اسلامیہ کو شرف حاصل ہے کہ اس کے حاملین نے اس کی حفاظت کے لئے سند کا اہتمام کیا ہے،علماء متقدمین کی کوشش ہوتی تھی کہ کم ازکم واسطوں سے فرامین رسول ﷺ حاصل کئے جائیں۔کم واسطوں سے حصول حدیث "سند عالی" کے نام سے مشہور ہے۔اس کا اہتمام نہایت ممدوح اور مسنون عمل ہے امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ "سند عالی کا حصول ہمارے اسلاف کا معمول رہا ہے۔"محدث یحییٰ بن معینؒ سے منقول ہے کہ ان سے مرض وفات میں پوچھا گیا آپ کیا چاہتے ہیں؟ تو فرمانے لگے :" **بیت خالی واسناد عالی** "یعنی میری آخری خواہش ہے کہ مجھے خالی گھر اور عالی سند ملے،خالی گھر میں اللہ کی جی بھر کر عبادت کروں اور عالی سند سے میں رسول اللہ ﷺ کے قریب ہو جاؤں۔"

بزرگ عالم دین محمد بن اسلم طوسی سے مروی ہے کہ "سند کا قریب ہونا اللہ کے قریب ہونا ہے کیونکہ عالی سند سے انسان رسول ﷺ کے قریب ہو جاتا ہے جو اللہ سے قربت کا ذریعہ ہے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کوفہ سے چلتے اور مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے براہ راست حدیث سننے کا شرف حاصل کرتے ان حضرات کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ طلب حدیث کی خاطر سفر کرنا مستحب عمل ہے۔بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سند عالی کی خاطر سفر کرنا اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا ثابت ہے۔ حضرت علقمہ اور اسود رحمھم اللہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی حدیث پہنچتی تو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آتے اور براہ راست آپ سے اس حدیث کا سماع کرتے۔

ان حضرات کو عالی سند اس لئے مرغوب ہوتی تھی کہ علو سے سند میں خلل وغیرہ دور ہو جاتا ہے کیونکہ جتنے واسطے زیادہ ہوں گے۔ خلل واشتباہ کا زیادہ امکان ہوگا جبکہ کم از کم واسطوں میں اس قسم کے اشتباہ کا اندیشہ نہیں رہتا اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ متقدمین کے ہاں عالی سند کا حصول ایک مرغوب عمل ہے۔

**سوال نمبر 49** سند عالی اور سند نازل کی تعریف کریں نیز اس کی اقسام تفصیل سے بیان کریں۔

**جواب** لغوی لحاظ سے عالی مصدر "علو" کا اسم فاعل ہے جس کا معنی کسی چیز کا اونچا اور بلند ہونا ہے اس کے بالمقابل نازل ہے جو "نزول" سے ہے اس کا معنی پست اور نیچا ہونا ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں کسی حدیث کی دو سندوں میں سے جس سند کے راویوں کی تعداد کم ہو وہ عالی اور جس سند میں راوی زیادہ ہوں وہ نازل ہے۔

**اس کی اقسام** اس کی دو اقسام ہیں: ۱۔علو مطلق ۲۔علو نسبی

❶ **علو مطلق**: رسول اللہ ﷺ سے قرب علو مطلق کہلاتا ہے اور یہ علو دیگر تمام اقسام سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے بشرطیکہ اس حدیث کی سند بالکل صحیح اور صاف ستھری ہو۔

❷ **علو نسبی**: کسی امام حدیث سے قرب، اس کی چار انواع ہیں:

ا کسی مصنف کی سند حدیث کسی معروف امام حدیث تک کم واسطوں سے پہنچ رہی ہو اس میں بھی سند کا صحیح اور صاف ستھرا ہونا لازمی ہے۔ مثلاً امام مالکؒ اور امام شافعیؒ تک سند کا قرب ہونا۔

ب پہلے فوت ہونے والے شیخ کی نسبت سے علو: امام نوویؒ اس کی مثال یوں بیان کرتے ہیں کہ میں ایک حدیث کو دو سندوں سے بیان کرتا ہوں

❶ عن البیھقی عن الحاکم

❷ عن ابن خلف عن الحاکم

ان میں سے پہلی عالی اور دوسری نازل ہے۔ کیونکہ امام بیہقی کی وفات ابن خلف سے پہلے ہوئی ہے۔

ج تقدم سماع کی نسبت سے علو: دو شاگردوں میں سے اگر ایک نے اپنے شیخ سے پہلے سنا

ہو اس کی سند عالی اور جس نے بعد میں سنا ہو اس کی سند نازل ہو گی۔ مثلاً ایک ساٹھ سال پہلے اور دوسری چالیس سال پہلے سنی ہو، سند کے واسطوں کی تعداد بھی برابر ہو تو پہلے سماع والی سند عالی اور دوسرے سماع والی سند نازل ہو گی۔

(د) **کتب ستہ یا کسی اور کتاب کی روایت میں نسبی قرب** :اب ہمارے ہاں صرف اسی کا اہتمام باقی رہ گیا ہے۔ اس اعتبار سے متقدمین کے ساتھ مندرجہ ذیل چار انواع حاصل ہوتی ہیں :

(۱) **الموافقہ** : کوئی شخص کسی معروف مصنف کے شیخ تک اپنی سند کو کم تر واسطوں سے پہنچائے۔ جبکہ اس مصنف کی سند سے واسطے بڑھ جاتے ہوں۔

(۲) **البدل** : کوئی شخص کسی معروف مصنف کے شیخ الشیخ تک اپنی سند کو کم تر واسطوں سے پہنچائے اور مصنف کی سند کی نسبت سے اس سند کے واسطے کم ہوں۔

(۳) **مساوات** : کسی شخص کی سند کے واسطے ابتداء سے انتہاء تک مصنف کی سند کے واسطوں کے بالکل برابر ہوں۔

(۴) **المصافحہ** : کسی شخص کی سند کے واسطوں کی تعداد شروع سے آخر تک کسی مصنف کے شاگرد کی سند کے برابر ہو جس طرح دو ملاقات کرنے والے مصافحہ کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی محدث کے شاگرد سے سند میں ملاقات ہو گئی۔

**سوال نمبر 50** حدیث مشہور کی تعریف اور اس کی اقسام مع امثلہ تحریر کریں۔؟

**جواب** لفظ "مشہور" عربی لغت میں "شہرت الامر" سے مأخوذ ہے جس کا معنی یہ ہے کہ میں نے کسی معاملے کا اظہار و اعلان کیا اس شہرت و اظہار کی مناسبت سے حدیث کی اس قسم کو مشہور کا نام دیا گیا ہے۔

مشہور حدیث کی دو قسمیں ہیں :

(۱) **مشہور اصطلاحی** : محدثین کی اصطلاح میں جس روایت کو بیان کرنے والے تین یا اس سے زیادہ افراد ہوں اسے مشہور کہتے ہیں بشرطیکہ یہ تعداد تمام طبقات میں اسی طرح قائم رہے تاآنکہ حد تواتر کو نہ پہنچ جائے۔

(۲) **مشہور غیر اصطلاحی** : اس سے مراد وہ روایت ہے جو زبان زد خاص و عام ہو اور اس میں

کسی قابل اعتبار شرط کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو۔اس کی عام طور پر تین صورتیں ممکن ہیں :

ا اس کی صرف ایک ہی سند ہو۔

ب اس کی ایک سے زائد سندیں ہوں۔ .

ج اس کی بالکل کوئی سند نہ ہو۔

غیر اصطلاحی مشہور کی مختلف انواع حسب ذیل ہیں :

١ صرف اہل حدیث کے ہاں مشہور ہو جیسے :**ان رسول اللّٰه قنت شهراً بعد الركوع يدعو على رعل وذكوان**

٢ اہل حدیث علماء اور عوام سب کے ہاں مشہور ہو جیسے :**المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده**

٣ صرف فقہاء کے ہاں مشہور ہو جیسے :**ابغض الحلال إلى الله الطلاق**

٤ علماء اصول کے ہاں مشہور ہو جیسے : **رفعت عن امتى الخطأ والنسيان وما استكرهو اعليه**

٥ نحویوں میں مشہور ہو جیسے :**نعم العبد صهيبٌ لو لم نيخف الله لم يعصمه**

٦ عوام الناس میں مشہور ہو جیسے :**العجلة من الشيطان**

**حدیث مشہور کا حکم** : حدیث مشہور اصطلاحی ہو یا غیر اصطلاحی اسے مطلق طور پر صحیح یا ضعیف نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس قسم میں صحیح، حسن، ضعیف بلکہ موضوع تک روایات پائی جاتی ہیں بعض مشہور بالکل خود ساختہ ہوتی ہیں جیسے "علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین جانا پڑے" یہ حدیث عوام میں بہت مشہور ہے لیکن بے بنیاد اور بناوٹی ہے۔ تاہم مشہور اصطلاحی سنداً صحیح ہو تو اسے عزیز اور غریب کے مقابلہ میں ایک امتیازی درجہ حاصل ہوتا ہے

بعض محدثین مشہور حدیث کو مستفیض کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں اگرچہ بعض دیگر محدثین ان دونوں کے درمیان فرق کرتے ہیں۔واللہ اعلم

**سوال نمبر 51** محدث ابن الصلاح نے مندرجہ ذیل عبارت میں حدیث کی کونسی قسم کو بیان کیا ہے اس کی

اقسام بھی تحریر کریں؟

**فانه عبارة عن الخبر الذی ینقلهٗ من یحصل العلم بصدقه ضرورة ولابد فی اسنادهٖ من استمرار هذا الشرط فی روایة من اوله الی منتهاهٗ**

**جواب** محدث ابن الصلاح نے اس عبارت میں حدیث متواتر کو بیان کیا ہے یہ لفظ **تواتر المطر** سے مأخوذ ہے جس کا معنی بارش کا مسلسل آنا ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں متواتر وہ حدیث ہوتی ہے جسے ایسی کثیر تعداد روایت کرتی ہو جن کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا یا جھوٹ پر جمع ہو جانا عادتاً محال ہو۔ یعنی اس کے تمام طبقات میں بیان کرنے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہو کہ عرف میں اس بات کو ناممکن تصور کیا جائے کہ اتنی بڑی جماعت نے اس حدیث کے گھڑ لینے پر اتفاق کر لیا ہوگا۔

**شرائط** : متواتر حدیث کیلئے چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے :

1. اس حدیث کو ایک کثیر تعداد روایت کرے کم از کم دس افراد تو ضرور ہوں۔
2. یہ کثرت ابتداء سے انتہاء تک تمام طبقات میں برقرار رہے۔
3. عادۃً یہ ناممکن ہو کہ اتنی بڑی جماعت نے جھوٹ پر اتفاق کر لیا ہو۔
4. وہ خبر ظاہری حواس اور مشاہدہ پر مبنی ہو۔

**حکم** خبر متواتر ایسی یقینی ہوتی ہے جس کی تصدیق کرنے پر انسان مجبور ہو جاتا ہے اس بناء پر تمام متواتر اخبار مقبول ہوتی ہیں اور انکے راویوں کے حالات کی تحقیق کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

**اس کی اقسام** متواتر کی دو اقسام ہوتی ہیں :

1. **متواترِ لفظی** : وہ روایت جس کے الفاظ اور معنی دونوں متواتر ہوں جیسے یہ حدیث کہ "جس نے مجھ پر دیدہ دانستہ جھوٹ باندھا وہ اپنی جگہ جہنم میں بنالے۔"

اس روایت کو بیان کرنے والے ستر سے زائد صحابہ کرام ہیں ان میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

2. **متواترِ معنوی** : وہ روایت جس کا معنی تو متواتر ہو لیکن اس کے الفاظ متواتر نہ ہوں مثلاً دعا میں ہاتھ اٹھانے کی احادیث تقریباً سو کی تعداد میں منقول ہیں ان تمام میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا میں ہاتھ اٹھائے تھے لیکن کیفیات واحوال مختلف ہیں ان میں سے کوئی بھی کیفیت متواتر نہیں ہے تاہم ان

میں قدر مشترک دعا میں ہاتھ اٹھانا مجموعی اسانید کے اعتبار سے متواتر ہے۔

کتب حدیث میں متواتر احادیث کی ایک معقول تعداد مروی ہے لیکن خبر آحاد کے مقابلہ میں ان کی تعداد انتہائی کم ہے۔ محدثین عظام نے متواتر احادیث پر مشتمل کتابیں بھی تصنیف کی ہیں چنانچہ علامہ سیوطی اور علامہ الکتانی نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

**سوال نمبر 52** مندرجہ ذیل عبارت کی تشریح کریں نیز بتائیں کہ غریب حدیث کا شمار صحیح احادیث میں ہوتا ہے یا ضعیف احادیث میں؟

**وینقسم الغریب ایضاً من وجه آخر فمنهٗ ما هو غریب متناً واسناداً ومنه ما هو غریب اسناداً لا متناً**

**جواب** اس عبارت میں محدث ابن الصلاح نے غریب حدیث کی ایک تقسیم کا ذکر کیا ہے۔ دراصل غریب حدیث وہ ہوتی ہے جسے نقل کرنے میں کوئی شخص اکیلا اور منفرد ہو۔ یہ کیفیت سند کے تمام طبقات میں ہو یا کسی ایک طبقہ میں جیسا کہ حدیثِ نیت کو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ منفرد ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک بڑی جماعت روایت کرتی ہے۔ الغرض غریب کی تعریف میں یہ بات بنیادی حیثیت رکھتی ہے کہ سند کے کسی طبقہ میں انفرادیت پائی جائے پھر غریب حدیث کی سند میں مقام تفرد کے لحاظ سے دو اقسام ہیں:

**❶ الغریب المطلق یا الفرد المطلق ❷ الغریب النسبی یا الفرد النسبی**

یہ تقسیم پہلے سوال نمبر 25 میں گزر چکی ہے محدث ابن الصلاح کی مندرجہ بالا عبارت میں غریب حدیث کی ایک اور تقسیم کو بیان کیا گیا ہے، محدثین نے سند اور متن میں انفرادیت کے حوالہ سے اس کی دو اقسام بیان کی ہیں:

**❶ غریب متناً واسناداً:** یعنی وہ حدیث جو اپنے متن اور راوی دونوں کے اعتبار سے غریب ہو اس مفہوم کی کوئی دوسری روایت سرے سے موجود ہی نہ ہو اگر ہو تو اپنے الفاظ و معنی میں کسی خاص انفرادیت کی حامل ہو پھر اس کے ساتھ ساتھ راوی بھی منفرد ہو۔

**❷ غریب اسناداً لا متناً:** وہ حدیث جو اپنی سند کے لحاظ سے منفرد ہو مگر متن کے اعتبار

سے اس میں کوئی غرابت نہ پائی جائے مثلاً کسی حدیث کو صحابہ کرام کی ایک جماعت روایت کرتی ہے مگر ایک تابعی اپنی روایت میں کسی ایک صحابی سے روایت کرنے میں منفرد ہو۔ امام ترمذی اس قسم کی حدیث کیلئے ایک خاص اصطلاح استعمال فرماتے ہیں :

"**غریب من هذا الوجه**" اس سند کے اعتبار سے اس حدیث میں غرابت پائی جاتی ہے۔

غریب حدیث کی سند کو دیکھ کر اس کی صحت یا ضعف کا فیصلہ کیا جاتا ہے کچھ غریب احادیث صحیح ہوتی ہیں جیسا کہ وہ منفرد احادیث جو صحیحین میں پائی جاتی ہیں اور اکثر طور پر غریب حدیث ضعیف ہوتی ہے۔ امام احمد اسی قسم کی غریب احادیث کے متعلق فرمایا کرتے تھے :

**لا تكتبوا هذه الاحاديث الغرائب فانها مناكير وعامتها عن الضعفاء**

"یہ غریب احادیث مت لکھا کرو کیونکہ یہ منکر ہوتی ہیں بلکہ بیشتر ایسی احادیث ضعیف راویوں سے مروی ہوتی ہیں۔"

محدثین کرام نے اس قسم کی احادیث کو الگ طور پر جمع کیا ہے : مثلاً

ا **غرائب مالك**

ب **الافراد:** یہ دونوں امام دارقطنی کی تصانیف ہیں

ج **السنن التی تفرد بكل سنة منها اهل بلدة:** اسے امام ابو داؤد نے تصنیف کیا ہے۔

واللہ اعلم

سوال نمبر 53 **معرفة غريب الحديث** کے زیر عنوان محدث ابن الصلاح نے جو کچھ تحریر کیا ہے اسے اپنے الفاظ میں بیان کریں ؟

**جواب** لغوی طور پر غریب اسے کہتے ہیں جو اپنے عزیز و اقارب سے دور ہو اور محدثین کی اصطلاح میں متن حدیث میں وارد ایسے مشکل الفاظ جو قلیل الاستعمال ہونے کی وجہ سے سمجھ سے بالاتر ہوں "غریب الحدیث" کہلاتے ہیں۔ محدث ابن الصلاح فرماتے ہیں :

"**وهو عبارة عما وقع فى متون الأحاديث من الألفاظ الغامضة البعيدة من الفهم لقلّة استعمالها**"

اس کی اہمیت وافادیت کے بارے میں علامہ موصوف فرماتے ہیں :

"هذا فن مهم يقبح بأهل الحديث خاصة ثم بأهل العلم عامة والخوض فيه ليس بالهين والخائض فيه حقيق بالتحرى جدير بالتوقى"

یہ فن نہایت اہمیت کا حامل ہے اہل حدیث کو اس سے خاص طور پر جاہل نہیں رہنا چاہئے بلکہ عام اہل علم کو بھی اس سے غافل رہنا روا نہیں ہے۔ تاہم اس کی گہرائی میں جانا مشکل بھی ہے اس کیلئے خوب تحقیق وتفتیش کرنا ضروری ہے اس لئے کہ اللہ کے رسول کے کلام کی تشریح محض ظن وتخمین سے نہیں کرنا چاہئے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے حدیث کے کسی لفظ کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ "جو غریب الحدیث میں مہارت رکھتے ہیں ان سے دریافت کرو مجھے یہ بات انتہائی ناپسند ہے کہ میں رسول ﷺ کے فرمان کی تشریح محض اپنے وہم وگمان سے کروں اور صحیح راستہ سے بھٹک جاؤں۔"

## بہترین تشریح

فرمودات رسول ﷺ میں آنے والے مشکل الفاظ کی بہترین تشریح وہی ہوتی ہے جس کا بیان کسی دوسری حدیث میں آ گیا ہو جیسے مریض کی نماز کے متعلق حدیث میں ہے :

**صل قائماً فان لم تستطع فقاعداً فان لم تستطع فعلى جنب(صحيح بخارى)**

"نماز کھڑے ہو کر پڑھو اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اگر اس کی بھی ہمت نہیں تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھ لو۔"

بعض روایات میں **فعلى جنب** کی وضاحت وارد ہے چنانچہ **دارقطنی** میں حضرت علی فرماتے ہیں :**فعلى جنبه الايمن مستقبل القبلة بوجهه**

"بیمار آدمی اپنی دائیں جانب، قبلہ رخ لیٹ کر نماز ادا کرے۔"

اسی طرح حدیث ابن صیاد میں وارد ایک لفظ "الدخ" کی وضاحت بھی دیگر روایات میں موجود ہے کہ اس سے مراد دھواں ہے۔ جبکہ بعض حضرات نے اپنے ظن وتخمین سے اس کا معنی "جماع" بھی کیا ہے جو بالکل غلط ہے۔

سب سے پہلے **النضر بن شميل** نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور بعض کے نزدیک **ابو عبيده معمر بن المثنى** نے سب سے پہلے غریب الحدیث کو موضوع بنایا۔ تاہم علامہ ابو عبید القاسم بن سلام نے

"غریب الحدیث" کے نام سے ایک عمدہ کتاب لکھی جو اہل علم کے ہاں بہت مقبول ہوئی، اس میں جو کمی رہ گئی تھی اسے محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ نے پورا کر دیا۔ انہوں نے بھی غریب الحدیث کے نام سے کتاب لکھی جو آج کل مطبوع اور متداول ہے ان تینوں کے متعلق علامہ ابن الصلاح فرماتے ہیں :

**فهٰذه الكتب الثلاثة امهات الكتب المؤلفة فى ذلك**

"یعنی یہ تینوں کتابیں اس موضوع پر جملہ تالیفات کے لئے مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔" واللہ اعلم

**سوال نمبر 54** مندرجہ ذیل عبارت کی تشریح مطلوب ہے نیز اپنے اسلوب میں حدیث کی مسلسل کی اقسام بیان کریں :

**التسلسل من نعوت الأسانيد وهو عبارة عن تتابع رجال الأسناد وتواردهم فيه واحداً بعد واحد على صفة أو حالة واحدة**

**جواب** اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے :

"التسلسل، اسناد کی صفات سے ہے اس کی تعریف یوں ہے کہ حدیث کے راویوں کی کسی ایک حالت یا کسی ایک صفت کا تسلسل سے منقول ہونا۔"

**تشریح** : محدث ابن الصلاح اس کی تقسیم یوں بیان کرتے ہیں۔

**وينقسم ذالك إلى ما يكون صفة للرواية والتحمل وإلى مايكون صفة للرواة او حالة لهم ثم ان صفاتهم فى ذالك واحوالهم اقوالاً وافعالاً ونحو ذالك**

مسلسل کی تقسیم بایں طور ہے کہ کبھی تو تسلسل روایت کی کسی صفت میں پایا جاتا ہے اور کبھی خود راویوں کی کسی صفت میں تسلسل منقول ہوتا ہے پھر صفات واحوال میں تسلسل کبھی قولی ہوتا ہے اور کبھی فعلی اس طرح بے شمار اقسام برآمد ہوتی ہیں۔

اگرچہ امام حاکم نے اس کی آٹھ انواع بیان کی ہیں تاہم اس کی بہت زیادہ انواع ہیں۔ محدثین عظام نے بالعموم اس کی تین اقسام بیان کی ہیں :

❶ **مسلسل باحوال الرواة**: راویوں کے حالات میں تسلسل پایا جائے جیسا کہ رسول

اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اے معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں لہذا ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرو:

"اللّٰهم اعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك"

اس حدیث کے راوی ایک دوسرے کو یہ الفاظ کہنے کے بعد یہ حدیث بیان کرتے ہیں "میں تم سے محبت کرتا ہوں لہذا یہ دعا پڑھا کرو۔"

❷ **مسلسل بصفات الرواۃ**: حدیث کے راویوں کی کوئی خاص حالت تسلسل سے منقول ہو جیسا کہ کسی روایت کے تمام راوی دمشقی یا مصری ہوں یا سب کے سب فقیہ اور حافظ حدیث ہوں۔

❸ **مسلسل بصفات الروایۃ**: روایت کی کسی صفت یعنی الفاظ اداء یا روایت کے زمان یا مکان میں تسلسل پایا جاتا ہو مثلاً تمام راوی کسی حدیث کو **سمعت** یا **اخبرنا** سے بیان کریں یا کسی روایت کو بیان کرنیوالے راوی عید کے روز اس روایت کو بیان کرنے کا اہتمام کرتے رہے ہوں

محدث ابن الصلاح مسلسل روایات میں افضل روایت کی بابیں الفاظ نشاندہی کرتے ہیں:

**خیرها ما کان فیه دلالة علی اتصال السماع وعدم التدلیس**

"یعنی وہی روایت افضل ہے جس میں اتصال سماع ہو اور تدلیس کا اس میں شائبہ تک نہ ہو۔"

اس کا فائدہ یہ ہے کہ راوی کے خصوصی حفظ وضبط اور اتقان پر دلالت کرتی ہے چنانچہ علامہ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

**ومن فضیلة التسلسل اشتماله علی مزید الضبط من الرواة**

"روایت مسلسل کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ راویوں کے مزید حفظ واتقان پر مشتمل ہوتی ہے۔"

**سوال نمبر 55** نسخ کی تعریف کریں اور بتائیں کہ اسے کیونکر پہچانا جاسکتا ہے؟

**جواب** عربی لغت میں اس کے دو معنی ہیں:

❶ ازالہ جیسے **نسخت الشمس الظل** سورج نے سایہ ہٹادیا۔

❷ نقل کرنا جیسے **نسخت الکتاب** میں نے کتاب نقل کی۔

محدث ابن الصلاح نے اس کی تعریف بایں الفاظ کی ہے: "**رفع الشارع حكماً منه متقدماً بحكم منه متأخر**" یعنی شارع کا اپنے پہلے والے کسی حکم کو بعد والے کسی دوسرے حکم سے بدل دینا نسخ کہلاتا ہے۔

پہلے والے حکم کو منسوخ اور بعد والے حکم کو ناسخ کہتے ہیں اس کی معرفت ایک نہایت اہم اور محنت طلب فن ہے محدث ابن الصلاح نے امام زہری کے حوالہ سے لکھا ہے:

**اعياء الفقهاء واعجز هم ان يعرفو اناسخ حديث رسول ﷺ من منسوخ**

"ناسخ اور منسوخ کی معرفت سے فقہاء اور علماء عاجز آگئے ہیں۔"

اس فن میں سب سے پہلے امام شافعیؒ نے نام پیدا کیا انہیں اس فن میں ید طولیٰ اور سبقت حاصل ہے۔

**ناسخ اور منسوخ کی پہچان کے طریقے**: اس کی پہچان کیلئے محدثین میں چار طریقے رائج ہیں:

❶ خود رسول اللہ ﷺ اس کی وضاحت فرمادیں جیسا کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

"میں نے تمہیں پہلے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ اس سے آخرت یاد آتی ہے۔"

❷ کوئی صحابی اس کی صراحت کردے جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اعمال میں آپ کا اختیار کردہ آخری عمل یہ تھا کہ آگ پر پکی ہوئی اشیاء کے استعمال سے وضو نہ فرمایا کرتے تھے۔ جبکہ ابتداء میں آگ پر پکی اشیاء کے استعمال سے وضو ضروری ہوتا تھا۔

❸ **تاریخ کے ذریعے**: مثلاً حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ سینگی لگانے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ختم ہوگیا یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کی ناسخ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزہ اور احرام کی حالت میں سینگی لگوائی تھی۔

پہلی حدیث کے بعض طرق میں یہ وضاحت ہے کہ حضرت شداد کا مذکورہ بیان فتح مکہ کے دنوں کا ہے جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر صحبت میسر آئی تھی لہذا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان بعد کا ہے۔

❹ **اجماع کی دلالت سے** : حدیث میں ہے کہ جو شراب نوشی کرے اسے درے لگاؤ اگر چوتھی بار پھر پئیے تو اسے قتل کر دو۔ اس کے متعلق امام نووی ؒ فرماتے ہیں :

"اجماع ہے کہ یہ روایت منسوخ ہے" محدث ابن الصلاح فرماتے ہیں : کہ اجماع نہ ناسخ ہوتا ہے نہ منسوخ بلکہ کسی ناسخ کے وجود پر دلالت ضرور کرتا ہے۔

الغرض ناسخ اور منسوخ کی بحث بہت اہم ہے اس سے کسی بھی اہل علم کو بے خبر نہیں رہنا چاہئے اگرچہ بعض لوگوں نے اس فن میں ایسی چیزیں داخل کر دی ہیں جن کا اس سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

**سوال نمبر 56** مندرجہ ذیل قول کس محدث سے منقول ہے اس کا ترجمہ کریں نیز "مختلف الحدیث" کے متعلق اپنی معلومات تحریر کریں ؟

**لا اعرف انه روى عن النبى ﷺ حديثان باسنادين صحيحين متضادين فمن كان عنده فليأتنى به لاؤلف بينهما**

**جواب** علامہ ابن الصلاح نے یہ قول محدث ابن خزیمہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ "میری معلومات میں یہ بات نہیں آئی کہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ دو متعارض حدیثیں مروی ہوں اگر کوئی اپنے پاس ایسی دو حدیثیں رکھتا ہے تو انہیں میرے پاس لائے تاکہ میں ان میں تطبیق کی صورت پیدا کر دوں۔"

مختلف الحدیث سے مراد وہ حدیثِ مقبول ہے جس کے خلاف اس جیسی کوئی دوسری حدیث منقول ہو اور ان دونوں میں جمع و تطبیق کی صورت بھی پیدا ہو سکتی ہو یعنی ان میں تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے

❶ دونوں احادیث صحت و قوت میں مساوی ہوں۔

❷ بظاہر معنوی طور پر پہلی حدیث دوسری کے مخالف ہو۔

❸ ان دونوں کو قابل قبول صورت میں جمع کرنا ممکن ہو۔

**مثال** : حدیث میں **لاعدوى ولا طيرة** "کوئی مرض متعدی نہیں اور نہ ہی نحوست و بدفالی کی کوئی حقیقت ہے۔"

اس کے بالمقابل حدیث : **فر من المجذوم فرارك من الاسد** "مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے

شیر سے بھاگتے ہو۔"

یہ دونوں احادیث صحیح ہیں لیکن بظاہر ایک دوسری کے متعارض ہیں پہلی میں بیماری کے متعدی ہونے کی نفی ہے جبکہ دوسری میں اس کا اثبات ہے ان میں جمع کی صورت یوں ہو سکتی ہے کہ پہلی حدیث میں واقعی مرض کے متعدی ہونے کی دراصل کوئی حقیقت نہیں ہے سب کچھ اللہ کے حکم سے ہی ہوتا ہے اور دوسری حدیث میں اسباب و شبہات کی بندش ہے اور اس میں کمزور عقیدہ والے لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔

**متعارض احادیث کا حل** :اگر کسی مقام پر مقبول درجہ کی دو متعارض احادیث آجائیں تو انہیں مندرجہ ذیل طریقہ سے حل کیا جاسکتا ہے۔

❶ اگر ان میں قابل قبول جمع کی صورت ممکن ہو تو انہیں جمع کرنا لازم ہے اس صورت میں دونوں پر عمل کرنا واجب ہوگا۔

❷ اگر جمع ممکن نہ ہو تو تاریخ معلوم ہونے کی صورت میں پہلی حدیث منسوخ اور بعد والی ناسخ ہوگی اس صورت میں ناسخ پر عمل ہوگا اور منسوخ متروک ہو جائے گی۔

❸ اگر تاریخ معلوم نہ ہو تو کسی ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دیں گے۔ ترجیح کی بے شمار صورتیں ہیں راجح پر عمل ہوگا اور مرجوح کو چھوڑ دیا جائے گا۔

❹ اگر ترجیح بھی مشکل ہو تو دونوں پر عمل سے توقف ہوگا تا آنکہ ترجیح کی کوئی صورت معلوم ہو جائے۔ واضح رہے کہ یہ آخری صورت انتہاء درجہ کی نادر الوجود ہے۔

الغرض علوم حدیث میں مختلف الحدیث کو بہت ہی اہمیت حاصل ہے کیونکہ تمام کو اس سے واسطہ پڑتا ہے سب سے پہلے امام شافعیؒ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا بعد میں آنے والے سب ان کے خوشہ چین ہیں۔

سوال نمبر 57 محدث ابن الصلاح نے **المزید فی متصل الاسانید** کے ضمن میں ایک اعتراض نقل کیا ہے اس کی وضاحت مطلوب ہے :

**الا سناد الخالی عن الراوی الزائد ان کان بلفظة "عن" فی ذالك فینبغی ان یحکم بارساله ..... وان کان فیه تصریح بالسماع او بالاخبار فجائز ان یکون قد سمع ذالك من رجل عنه ثم سمعه منه نفسه**

**جواب** اس اعتراض اور اس کے جواب سے پہلے ہم المزید فی متصل الاسانید کی وضاحت کرتے ہیں: ہر وہ سند جو ظاہری طور پر متصل ہو اس میں کسی راوی کا اضافہ کر دینا المزید فی متصل الاسانید کہلاتا ہے مثلاً مندرجہ ذیل ایک سند ہے امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

**حدثنا سفیان عن عبدالرحمن بن یزید حدثنی بسر بن عبید اللّٰہ قال سمعت ابا ادریس قال سمعت واثلہ .....الخ**

اس میں دو جگہ اضافہ ہوا ہے ایک سفیان اور دوسرا ابو ادریس اور اس اضافہ کا سبب وہم راوی ہے۔ سفیان کا اضافہ حضرت عبداللہ بن مبارک سے پہلے کسی راوی نے کیا ہے کیونکہ متعدد ثقہ راوی سفیان کے واسطہ کے بغیر ابن المبارک عن عبدالرحمٰن بن یزید کے الفاظ سے روایت کرتے ہیں البتہ ابو ادریس کا اضافہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا وہم معلوم ہوتا ہے کیونکہ کئی ثقہ راوی عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت کرتے ہیں مگر ابو ادریس کا نام ذکر نہیں کرتے جبکہ بعض راوی حضرت بسر کا واثلہ سے سماع کا ذکر کرتے ہیں۔

اس قسم کے اضافہ کو رد کرنے اور اسے وہم قرار دینے کی دو شرطیں ہیں:

1. جو راوی اضافہ نہیں کر رہا وہ اضافہ کرنے والے کے مقابلہ میں زیادہ ثقہ ہو۔
2. اضافہ شدہ مقام پر تصریح سماع ہو۔

اگر یہ دو شرطیں یا ان میں سے کسی ایک کا فقدان ہو تو اضافہ والی سند کو راجح اور جس میں اضافہ نہیں اسے منقطع سمجھا جائے گا جسے **المرسل الخفی** سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس وضاحت کے بعد ہم محدث ابن الصلاح کے اعتراض کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے مندرجہ بالا عبارت میں پیش کیا ہے۔ اگر اضافہ سے خالی سند میں اضافہ شدہ مقام پر تصریح سماع کی بجائے لفظ "عن" آیا ہے تو اسے مرسل کہنا چاہئے اگر وہاں تصریح سماع ہو تو ممکن ہے کہ یہ سماع پہلے بالواسطہ ہو یعنی گرنے والے راوی کے واسطہ سے حاصل ہوا ہو۔ پھر بعد میں اس نے بلا واسطہ سنا ہو جیسا کہ مثال مذکورہ میں حضرت بسر نے پہلے ابو ادریس کے واسطہ سے حضرت واثلہ سے سنا ہو پھر براہ راست ابو ادریس کے واسطہ کے بغیر واثلہ سے سماع کیا ہو۔

اعتراض کا پہلا حصہ مبنی پر حقیقت ہے کہ جہاں اضافہ شدہ مقام پر تصریح کی بجائے لفظ "عن" آیا ہے اسے منقطع قرار دیا جائے لیکن یہ انقطاع خفی ہوگا جسے محدثین کی اصطلاح میں **المرسل**

**الخفی** کہتے ہیں۔اس کا دوسرا حصہ بھی ممکن ہے لیکن محققین کسی اضافہ کو اس وقت تک وہم قرار نہیں دیتے جب تک اس کا کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔

موجودہ مثال میں متعدد قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سند میں عبد اللہ بن مبارک کو وہم ہوا ہے کہ انہوں نے ابو ادریس کا اضافہ کیا ہے۔

**سوال نمبر 58** حافظ ابن الصلاح نے "**معرفة المصحف من اسانيد الاحاديث و متونها**" کے زیر عنوان جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ تحریر کریں؟

**جواب** محدث ابن الصلاح نے اس فصل میں تصحیف کے متعلق بڑی گراں قدر معلومات فراہم کی ہیں۔

دراصل تصحیف کا لغوی معنی "صحیفہ میں غلطی کرنا" ہے اور محدثین کی اصطلاح میں ثقہ راویوں کے بیان کردہ الفاظ کے برعکس ایسے الفاظ بیان کرنا جو لفظی یا معنوی طور پر ان کے خلاف ہوں اسے تصحیف کہتے ہیں۔ محدثین عظام نے مختلف اعتبارات کے لحاظ سے اس کی تین اقسام بیان کی ہیں:

۱- موقع و محل کے لحاظ سے ۲- سبب کے اعتبار سے ۳- لفظ یا معنی کے اعتبار سے

**① موقع و محل کے لحاظ سے:** اس کی دو اقسام ہیں:

**(ا) تصحیف فی السند:** یہ ہے کہ سند میں کسی راوی کے نام کو غلط کر دینا مثلاً ایک حدیث حضرت شعبہ بیان کرتے جس کی سند یوں ہے:

**عن العوام بن مراجم عن ابی عثمان عن عثمان بن عفان**

اسے امام یحییٰ بن معین نے العوام بن مزاحم بنا دیا۔

**(ب) تصحیف فی المتن:** یہ ہے کہ متن میں وارد کسی لفظ کو بدل دینا جیسا کہ حدیث میں ہے: **من صام رمضان ثم اتبعه ستاً من شوال** کو کسی راوی نے **شيئاً من شوال** بنا دیا۔

**② سبب کے اعتبار سے:** کسی کو کوئی تحریر دیکھنے یا سننے میں کسی قسم کا شبہ ہو جاتا ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں:

**(ا) تصحیف بصر:** کسی راوی کو دیکھنے میں کوئی غلطی لگ گئی جیسے حدیث میں ہے: **ان النبی ﷺ احتجر فی المسجد**

اس روایت کو جب **عبد الله بن لهيعه** نے بیان کیا تو **احتجم** بنا دیا کیونکہ انہوں نے یہ روایت

سماع کے بغیر موسیٰ بن عقبہ کی کتاب سے بیان کی تھی۔

ب **تصحیف سمع**: سماعت کی کمزوری کی وجہ سے الفاظ سننے میں کوئی شبہ لگنے سے غلطی ہو جائے مثلاً: ایک راوی جس کا نام **عاصم الاحول** ہے اسے **واصل الاحدب** سے بدل دیا جائے۔

۳ **لفظ یا معنی کے اعتبار سے**: اس کی دو اقسام ہیں:

ا الفاظ کو بدل دینا عام طور پر اسی قسم کی تصحیف ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: "**رمي ابيّ يوم الاحزاب على اكحله**" یہ ابی بن کعب ہیں اسے راوی حدیث غندر نے **رمی ابی** بنا دیا یعنی لفظ أب کو یا متکلم کی طرف مضاف کر کے پڑھ دیا۔

ب راوی حدیث الفاظ تو وہی نقل کرے مگر ان کی تفسیر خلاف واقعہ کر دے۔

مثلاً ابو موسیٰ **العنزی** کہتے ہیں: **نحن قوم لنا شرف نحن من عنزة صلى الينا رسول الله** ﷺ ہم قبیلہ عنزہ سے تعلق رکھتے ہیں ہمیں ایک قومی شرف حاصل ہے کہ ہماری طرف رخ کر کے رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ نماز پڑھی تھی اس شرف میں ایک معروف حدیث کی طرف اشارہ ہے "**ان النبی ﷺ صلى إلى عنزة**" کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین میں تیر گاڑا پھر اسے سترہ بنا کر اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ راوی حدیث لفظ "**عنزہ**" کو تیر کی بجائے اپنی قوم عنزہ مراد لے رہا ہے۔ **عنزہ** چھوٹے نیزے کو بھی کہتے ہیں۔

**سوال نمبر 59** محدث ابن الصلاح **المؤتلف والمختلف** کی تعریف واہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

**هو ما يأتلف أى يتفق فى الخط صورته ويختلف فى اللفظ صيغته**

**هذا فن جليل من لم يعرفه من المحدثين كثر عثاره**

اس عبارت کی تشریح کریں؟

**جواب** اس سے مراد راویوں کے وہ نام ہیں جو صورتِ خطی میں متفق ہوں مگر ان کا تلفظ اور ادائیگی الگ الگ ہو جیسے **مِسْوَرْ** اور **مُسَوِّر** پہلے لفظ میں میم مکسور، سین ساکن اور واؤ **مخففہ** ہے جبکہ دوسرے لفظ میں میم مضموم، سین مفتوح اور واؤ مشدد ہے۔

**اہمیت**: یہ فن بڑی اہمیت کا حامل ہے جو محدثین اس فن سے ناآشناء تھے انہوں نے اسماء الرجال میں

بہت ٹھوکریں کھائی ہیں۔امام لبن مدینی فرماتے ہیں کہ ''سب سے سنگین تصحیف ناموں میں ہی ہوتی ہے کیونکہ ان کے تلفظ میں قیاس کو کوئی عمل دخل نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے لئے کوئی ضابطہ ہوتا ہے جس سے ان کو رہنمائی مل سکے بلکہ ان کا دارومدار ان کے یاد کرنے پر ہی ہوتا ہے۔''اس کی مزید مثالیں یہ ہیں :

❶ **البزاز اور البزار** : پہلے کے آخر میں زای منقوطہ ہے جبکہ دوسرے کے آخر میں راء مہملہ ہے۔

❷ **الثوری اور التوزی** : پہلا اسم ثامثلث اور راء مہمل سے ہے جبکہ دوسرا اسم تامثناۃ اور زا منقوط سے ہے۔

اگرچہ ان کا کوئی اصول وضابطہ نہیں ہوتا کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے تاہم ان کیلئے چند ایک قواعد کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1 وہ اسماء جن کے متعلق عام سا قاعدہ ہو کسی کتاب کے متعلق کوئی تعیین نہ ہو مثلاً

**سَلاَّم و سَلاَم،**

اس کے متعلق عمومی قاعدہ یہ ہے کہ پانچ کے علاوہ تمام نام مشدد ادا ہوں گے یعنی لام کی تشدید سے پڑھے جائیں گے وہ پانچ یہ ہیں :

❶ **عبد اللّٰه بن سَلاَم** صحابی رسول ﷺ کے باپ

❷ **محمد بن سَلاَم البیکندی** شیخ بخاری کے والد

❸ **سَلاَم بن محمد بن ناهض المقدسی**

❹ **ابو علی الجبائی المعتزلی** کے دادا کا نام سلام

❺ **سَلاَم بن ابی الحقیق یهودی**

ان پانچ ناموں کے علاوہ دیگر تمام سلام مشدد ہوں گے۔

2 خاص کتابوں کے حوالہ سے کوئی قاعدہ ہو مثلاً **صحیحین** اور موطا میں جو نام بشر کی صورت میں ہو گا وہ **با** کے کسرہ اور شین منقوطہ سے پڑھا جائے گا مگر چار اسماء میں **با** کے ضمہ اور سین مہملہ کے ساتھ پڑھا جائے گا وہ یہ ہیں :

❶ **عبداللّٰه بن بسر المازنی** صحابی رسول ﷺ کے والد

❷ بسر بن سعید

❸ بسر بن عبیداللہ الحضرمی

❹ بسر بن محجین الدیلی

اس موضوع پر جناب عبدالغنی بن سعید کی تصنیف بنام "**المؤتلف والمختلف**" اہل علم کے ہاں معروف ہے۔

سوال نمبر 60 **المتفق والمفترق** کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں تفصیل سے بیان کریں؟

**جواب** لغوی لحاظ سے "متفق" لفظ "اتفاق" اور "مفترق" لفظ "افتراق" کا اسم فاعل ہے محدثین کی اصطلاح میں بعض راویوں اور ان کے آباء واجداد کے ناموں میں خط و تلفظ دونوں میں اتفاق ہو مگر ان کی شخصیات مختلف ہوں **المتفق** کہلاتا ہے۔ اصول فقہ میں جو حقیقت "مشترک" کی ہوتی ہے اصول حدیث میں وہی حقیقت **المتفق والمفترق** کی ہے۔ راویوں کی شخصیات میں امتیاز ایک دقیق فن ہے کیونکہ بڑے بڑے علماء کو محض نام میں اتفاق کی وجہ سے اشتباہ ہو سکتا ہے اس فن سے واقفیت حاصل کرنے کے دو فائدے ہیں:

❶ نام میں اشتراک کی وجہ سے دو یا دو سے زیادہ شخصیات کو ایک نہ سمجھ لیا جائے۔

❷ اس فن کی معرفت سے حدیث پر حکم لگانا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ اگر ان میں ایک ثقہ اور دوسرا ضعیف ہے تو تمیز نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف کو ثقہ اور ثقہ کو ضعیف قرار دیا جا سکتا ہے لہذا ایسے راویوں کی معرفت انتہائی ضروری ہے تاکہ صحیح حدیث کو ضعیف اور ضعیف کو صحیح نہ قرار دیا جائے۔

**اقسام**: محدث ابن الصلاح نے اس کی چند ایک اقسام بیان کی ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

❶ جن کے اپنے اور آباء کے نام ایک ہوں جیسے خلیل بن احمد، اس نام و نسب کے چھ افراد ہیں ان میں سے سب سے پہلا سیبویہ نحوی کا استاد ہے۔

❷ جن کے باپ اور دادا کے نام ایک جیسے ہوں جیسے احمد بن جعفر بن حمدان۔ اس نام کے چار افراد ہیں جو آپس میں ہم عصر بھی ہیں۔

❸ جن کی کنیت اور نسبت ایک جیسی ہو جیسے ابو عمران الجونی یہ دو حضرات ہیں ایک عبدالملک

بن حبیب تابعی ہیں اور دوسرے موسیٰ بن سہل بصری ہیں۔

④ جن کے نام اور باپ کی کنیت ایک ہو جیسے صالح بن ابی صالح اس نام کی چار شخصیات ہیں۔

⑤ ان کے اور ان کے آباء کے نام اور نسبتیں ایک جیسی ہوں جیسے محمد بن عبداللہ انصاری اس نام کی دو شخصیات ہیں ایک تو امام بخاری کے استاد ہیں اور دوسرے کی کنیت ابو سلمہ ہے جسے محدثین نے ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔

⑥ جن کا صرف نسبت میں اشتراک ہو جیسے آملی اور آملی۔ پہلا طبرستان کے شہر آمل کی طرف منسوب ہے اور دوسرا جیحون کے علاقہ آمل کی طرف منسوب ہے۔

یاد رہے کہ اس باب میں بہتر مثال اس وقت سامنے آتی ہے جب راویوں کے ناموں میں اشراک ہو اور ان کا زمانہ بھی ایک ہو پھر ان کے شیوخ و تلامذہ بھی مشترک ہوں لیکن اگر ان کے زمانے مختلف ہوں تو پھر اشتباہ نہیں ہوتا۔

**آخری گذارش** معزز قارئین وعزیز طلبہ! ہماری یہ حقیر کوشش نقشِ اول کی حیثیت رکھتی ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے نوازا تو نقش ثانی اس سے بہتر ہو گا لیکن اصل کتاب کی اہمیت اپنی جگہ پر برقرار رہے گی۔ ہماری یہ تلخیص و تسہیل آپ کو اصل کتاب سے بے نیاز نہیں کر سکے گی۔ کتاب سے بھرپور استفادہ کریں کیونکہ آپ کے علم میں پختگی اور گہرائی اصل کتاب کے مطالعہ سے ہی پیدا ہو گی۔ ہم نے اہم اہم مباحث کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ بالخصوص مندرجہ ذیل مباحث اصل کتاب سے دیکھنا مت بھولیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

① معرفة الصحابة

② معرفة التابعين

③ معرفة رواية الاكابر عن الاصاغر

④ معرفة رواية الاقران

⑤ معرفة الاخوة والاخوات من العلماء والرواة

٦ معرفة من ذكر باسماء مختلفة أو نعوت متعددة

٧ معرفة رواية الاباء عن الابناء

٨ معرفة رواية الابناء عن الاباء

٩ معرفة الاسماء والكنى

١٠ معرفة ألقاب المحدثين

١١ معرفة الرواة المتشابهين فى الاسم والنسب

١٢ معرفة الأنساب التى باطنها على خلاف ظاهرها

١٣ معرفة المنسوبين إلى غير آبائهم

١٤ معرفة المبهمات

١٥ معرفة تواريخ الرواة فى الوفيات

١٦ معرفة الثقات والضعفاء من الرواة

١٧ معرفة من خلط فى آخر عمره

١٨ معرفة الطبقات من الرواة والعلماء

١٩ معرفة الموالى من الرواة والعلماء

٢٠ معرفة أوطان الرواة وبلدانهم

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو بصیرت کے ساتھ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور علی وجہ البصیرت دوسروں تک پہنچانے کی ہمت دے۔ (آمین)

# ہماری دیگر شاہکار مطبوعات

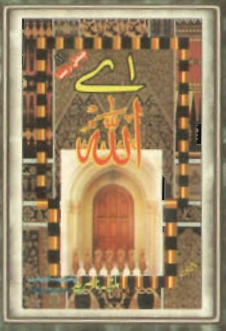

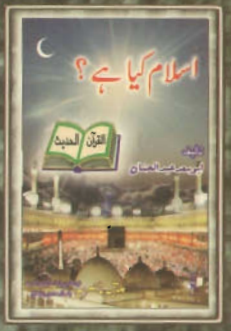

## Maktaba Nasiria

Zain-Ul-Aabedin Plaza Press Market
Aminpur Bazar Faisalabad Pakistan.
Tel:612418pp

Main Bazar Hajiabad Faisalabad
Pakistan.
Tel:789088